ایران

مصنفہ

سید احمد الحسنی

صداقت بک ایجنسی لاہور

منصور حیدر راجہ

بار اول ۱۰۰۰ قیمت بارہ آنے (۱۹۴۸)

مصنفہ

سید احمد الحسنی

صداقت بک ایجنسی لاہور

باراول ۱۰۰۰ قیمت بارہ آنے (۱۲/)

فہرست

حصۂ اوّل

فہرست

حصہ دوم

اس رسالہ کی اشاعت کا مقصد ایران کے مستقبل پر قیاس آرائی کرنا نہیں بلکہ بین الاقوامی سیاست میں ایران کی حیثیت کو واضح کرتا ہے۔ اسلامی ممالک موجودہ دور میں بڑی حیثیت کے مالک ہیں اور جس کا کہ اپنوں کے علاوہ اغیار بھی اعتراف کرتے ہیں۔ اس مسئلہ پر مغربی زبانوں میں معلومات کا ایک بحر دخار ہے لیکن اردو باوجود اپنی حیرت انگیز ترقی کے بھی تہیدست ہے فاضل مصنف سید احمد الحسنی صاحب نے اس اس رسالہ کی تصنیف سے بڑی حد تک اس کمی کو پورا کر دیا ہے مصنف مذکور نے ایران کے عہد قدیم کی ایک جھلک دکھانے کے بعد گذشتہ بیس سال کے عرصہ میں ایران کی حیرت افزا ترقی پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

جدید ایران کے بانی رضا شاہ پہلوی کے حالات زندگی طرز حکومت اور مختلف اعداد و شمار نے اس رسالہ کی اہمیت میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔

سعید احمد ظفر ناشر

سعید احمد ظفر نے ملاپ الیکٹرک پریس پیسہ اخبار اسٹریٹ لاہور سے چھپوا کر صداقت بک ایجنسی سے شا

تاجدار ایران اور کابینۂ وزارت

اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی

وزیر اعظم ——— محمود جام

وزیر داخلہ ——— علی اصغر حکمت

وزیر خارجہ ——— مظفر عالم

وزیر مالیہ ——— محمد بدر

وزیر مواصلات ——— ڈاکٹر سجادی

وزیر جنگ ——— احمد نخجیوان

وزیر عدلیہ ——— ڈاکٹر احمد دختری

وزیر اجرائے قوانین ——— محمد اسماعیل - م - ت

وزیر ڈاک و تار و ٹیلیفون ——— ابراہیم عالم

وزیر صنعت و حرفت ——— صادق واسقی

نائب وزیر ——— علی منصور

وزیر زراعت ——— مہدی قلی تاج بخش.

سنہ ۱۹۱۳ء میں مشہور روسی مؤرخ پاولووچ ایران کی حدود اربعہ اس طرح مقرر کرتا ہے۔

"مستقبل قریب میں ایران ایک بڑی تجارتی گذرگاہ کی حیثیت اختیار کر لے گا۔ کیوں کہ اس کے مغرب میں دریائے دجلہ اور مشرق میں دریائے سندھ کی وادی ہے۔ بحیرۂ کیسپین اور صحرائے توران شمال اور خلیج فارس او بحر ہند جنوب میں واقع ہیں"۔

معدنیات اور پیداوار

ترقی یافتہ ذرائع آمد و رفت کی ایران میں کمیابی کی بنا پر معدنیات سے پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ موجودہ حکومت ایران نے یورپ سے ماہرین طبقات الارض کو بلا کر اپنے یہاں کی زمین میں چھپی ہوئی دولت کے متعلق جو تحقیقات کیں ان سے پتہ چلا کہ سرزمین ایراں میں بیش بہا جواہرات اور موجودہ تمدن و تہذیب کے دور میں سب سے زیادہ ضروری معدنیات بکثرت پائی جاتی ہیں۔

خاص خاص معدنیات حسب ذیل ہیں۔

سونا۔ چاندی، سیسہ، تانبا، جست، ٹین، پارہ، CHROMIRON، لوہا، انٹی مونی، اور منگانیز

طہران اور اس کے نواحی کی ضروریات کے لائق کوئلہ کوہ دیماوند کے دامن سے نکالا جاتا ہے۔

تیل کی دولت سے ایران کی سرزمین مالا مال ہے۔ لیکن اخراجات اور دیگر ذرائع آمد و رفت اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی دشواریوں کی بنا پر صرف مخصوص مقامات پر تیل کے چشموں سے فائدہ حاصل کیا گیا ہے۔ انگلو پرشین آئل کمپنی کے پاس ایران کے تیل کے چشموں کا ٹھیکہ ہے۔ اور اس کمپنی نے ہفت خیل اور مسجد سلیمان کے علاقوں میں شوستر کے قریب اپنا کاروبار جاری کر رکھا ہے۔ کمپنی مذکور کی رپورٹ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اندازاً سالانہ ۴۸۴۳۱۸۰۰ گیلن تیل پہلے ان چشموں سے برآمد کیا جاتا تھا۔

لیکن اب تیل کی برآمد حسب ذیل ہے۔

۱۹۳۵ء میں ۷،۴۸۷،۶۹۷ ٹن
۱۹۳۶ء " ۸۱۹۸۸۰۰ "
۱۹۳۷ء " ۱۰۲۰۰۰۰۰ "
۱۹۳۸ء " ۱۰۱۹۵۳۷۱ "

گندھک، نمک اور کھریا مٹی بھی بکثرت ہے لیکن صرف مقامی ضروریات کو پورا کرنے کے لایق یہ اشیاء زمین سے نکالی جاتی ہیں۔

قیمتی پتھروں میں سے لعل مشہد میں اور فیروزہ TURQUOISE نیشاپور، جیونرم، اور شہر بابک میں پایا جاتا ہے۔

خلیج فارس کے ساحلی علاقوں پر لوہے، گیرو OCHRE اور نمک کی کانوں پر کام بڑے پیمانے پر ہوتا رہتا ہے۔

۸

آب و ہوا

مکران اور بوشہر کے ساحلی علاقوں میں ۷۰ اور ۸۰ درجہ حرارت تک کبھی کبھی ہوجاتا ہے۔ لیکن اندرون ملک میں موسم سرما کی تند و تیز چلنے والی ہواؤں کی وجہ سے بہت زیادہ سردی رہتی ہے۔ جنوبی حصہ ملک میں درجۂ حرارت کا سال بھر میں بہت تفاوت ہو جاتا ہے۔ جہاں بمقابلہ جنوری کے پارہ جولائی میں ۴۰ درجہ زیادہ چڑھ جاتا ہے۔ لیکن شمالی حصہ میں درجہ حرارت غیر معمولی طور پر گر جاتا ہے۔ اکثر ان علاقوں میں پارہ ۲۲ درجہ رہتا ہے۔ سطح سمندر سے زیادہ بلند علاقوں میں بلا کی سردی پڑتی ہے طہران جو کہ سطح سمندر سے ۴۰۰۰ فٹ بلند ہے بہت زیادہ سرد حصہ ہے۔ یہاں جنوری میں ۳۵ درجہ تک پارہ آجاتا ہے۔ لیکن اس سے بڑھکر سردی اصفہان میں ہوتی ہے۔ جہاں کبھی کبھی پارہ صفر تک پہنچ جاتا ہے۔ ایران کا بہترین موسم فصل بہار ہے۔ جب کہ درجہ حرارت نہایت معتدل اور زمین برف و بارش کے اثر سے ہنوز تر ہوتی ہے۔ فصل خزاں میں بھی نہ زیادہ گرمی ہوتی ہے نہ سردی لیکن ہوا میں خشکی اور گرد و غبار کی وجہ سے طبیعت مکدر رہتی ہے۔ گرمی میں کہیں بھی ۸۰ درجہ سے زیادہ حرارت نہیں ہوتی۔

اگست اور جولائی ایران میں گرمی کے خاص مہینے شمار ہوتے ہیں۔ ان مہینوں میں دن میں کافی گرمی ہوتی ہے۔ لیکن رات بہت خنک اور ٹھنڈی ہوتی ہے۔ ساحلی علاقوں میں رات کا موسم ناقابل برداشت ہوتا ہے۔

بارش پورے ملک میں بہت کم ہوتی ہے۔ سوائے کوہ البرز اور اس کے گرد و پیش کے علاقوں کے جو بحیرۂ کیسپین کے مان سون سے متاثر ہوتا ہے۔ رشت کے علاقہ میں سالانہ بارش کا اوسط ۵۶ انچ ہے۔ شمالی علاقوں میں

یہ اوسط بہت گر جاتا ہے۔اور بارش ۱۲۰ انچ سے بھی کم ہوتی ہے۔ پہاڑوں کے جنوب میں سطح مرتفع پر کل ۱۹ انچ معالانہ بارش کا اندازہ ہے۔ لیکن جتنا مشرق میں بڑھتے جائیے اتنا ہی اوسط بارش کا گرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ حسین اباد اور سمنان میں کل ۲ انچ سالانہ بارش ہوتی ہے۔خلیج فارس کے ساحلی علاقوں پر بارش کا اوسط ۱۰ انچ تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن ساحل مکران پر صرف ۵ انچ ہی بارش ہوتی ہے۔

اکتوبر سے مئی تک بارش کا زور ہوتا ہے۔خصوصاً بارش بہت زور شور کی ہوتی ہے۔اور اکثر سالانہ اوسط کا نصف حصہ ایک ہی روز میں برس جاتا ہے۔ایک بار بوشہر میں پورے پانچ انچ بارش ہوئی تھی۔اور سیستان وحسین اباد میں ایک دم ۲ انچ بارش ہوئی۔یکبارگی اتنی بارش ہو جانے سے دریاؤں میں جو طغیانی آتی ہے۔اس سے اکثر باشندگان کو پریشانی اٹھانا پڑتی ہے۔بجلی کی کڑک اور چمک کے طوفان سال بھر میں بہت کم پیش آتے ہیں۔برفباری کے لحاظ سے ایران کے متعلق کچھ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔ساحلی علاقوں پر بہت کم برفباری ہوتی ہے۔ لیکن جو علاقے سطح سمندر سے ۴۰۰۰ فٹ بلند ہیں۔ اکثر و بیشتر دسمبر سے مارچ تک بسا اوقات کئی کئی دن اور کئی کئی ہفتے برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔ ان ایام میں اکثر میدانی علاقوں سے سطح مرتفع اور کوہستانی حصۂ ملک کو جانے کے لئے راستے تقریباً ناقابل عبور ہو جاتے ہیں۔جنگ عظیم کے دوران میں برطانوی افواج کو اسی سلسلہ میں بغداد سے انزلی تک راستے کو برف کے تودوں سے صاف رکھنے میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔سلطان بولاغ،ہمدان،اور قزوین میں برطانوی افواج کو بڑی مدت تک پڑا رہنا پڑا تھا۔یورپ کے بعض سیاحوں نے اس موسم میں ایرانی خانہ بدوش قبائل کے نقل وحرکت پر بڑا تعجب کا اظہار کیا ہے۔

بعض کوہستانی علاقوں اور جنوبی میدانوں کے علاوہ ایران میں بہت کم زرخیز

خطے نظر آتے ہیں۔ اندرون ملک میں پہاڑیاں اور وادیاں ہر قسم کی نباتات سے خالی نظر آتی ہیں۔ جس طرف نگاہ جاتی ہے صحرا ہی صحرا نظر آتا ہے۔ جنوب میں تباس کے قریب بہت نخلستان ہیں اور ان میں بہت اعلیٰ قسم کی کھجوریں پیدا ہوتی ہیں۔ دشت کے جنوب میں گیلان اور رودبار میں زیتون کے درخت کی کاشت بہت ہوتی ہے۔ وسط ملک میں بھی خال خال زیتون کے درخت نظر آجاتے ہیں۔

پھلوں کی پیداوار بہت ہے۔ اور تقریباً اعلیٰ قسم کے تمام فواکہات ایران میں ملتے ہیں۔ تربوز نہایت اعلیٰ ہوتا ہے۔ انگور۔ خوبانی۔ شاہ دانہ اور سیب عام ہیں۔ اور ہر امیر و غریب کو یکساں میسر ہیں۔ اس کے علاوہ مخصوص میوے گرانی کی وجہ سے ہر شخص کو میسر نہیں آسکتے۔ چونکہ ذرائع آمدورفت بہت ناقص ہیں اس لئے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک نارنگی طہران میں ۲ اور ۳ آنے تک میں، فروخت ہوتی ہے جب کہ مازندران میں (طہران سے کل ۱۰۰ میل دور) وہی نارنگی دو پیسے میں مل سکتی ہے۔

تبریز اور مشہد کی خوبانی۔ کاشان اور اصفہان کے خربوزے دماوند کے سیب تفتار کی ناشپاتی کرمان شاہ کی انجیریں نفاست اور شیرینی میں بہت مشہور ہیں۔ ترکاریاں تمام قسم کی تقریباً ایران میں ہر جگہ کم وبیش پائی جاتی ہیں۔ پھول بکثرت ہوتے ہیں۔ اور اپنی خوش رنگی اور خوشبو کی وجہ سے مشہور ہیں۔

ساحلی علاقوں میں مچھلی بکثرت پکڑی جاتی ہیں۔

آبادی

ماہرین مردم شماری کا اندازہ ہے کہ ایران میں ایک کروڑ پچاس لاکھ آبادی ہے۔ چونکہ ابتک گورنمنٹ نے کوئی خاص محکمہ اس کام کے لئے نہیں بنایا ہے۔

اس لئے یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وقتاً فوقتاً مختلف افراد نے ذاتی طور پر کہیں۔ حکومت کی مدد سے مردم شماری کی کوشش کی جس میں بہت حد تک صحیح تعداد معلوم کرنے میں کامیابی ہوئی ہے۔ سب سے زیادہ قابل وثوق اعداد و شمار اس مردم شماری کے ہیں۔ جو سنہ ۱۹۲۶ء میں حکومت کے ایما سے کی گئی۔ ایک امریکن ماہر اقتصادیات مسٹر اے۔ سی۔ مل اس پاگ حکومت کی طرف سے اس کام پر مامور تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں موصوف کی کتاب "ایران کی اقتصادی حالت" بہترین معلومات کی حامل ہے۔

اب ہم سنہ ۱۹۳۸ء کی مردم شماری کے مطابق ذیل میں ایران کے مشہور شہر اور اضلاع کی مردم شماری لکھتے ہیں۔ اس میں طہران کی آبادی کے متعلق ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ جو تعداد یہاں درج کی جاتی ہے وہ بالکل حقیقت کے مطابق ہے۔ باقی دیگر اضلاع کی مردم شماری اندازے سے کی گئی ہے۔

سنہ ۱۹۳۸ء کی مردم شماری کی رو سے

طہران . ۳ لاکھ ۶۰ ہزار
تبریز .... ۲ لاکھ ۱۹ ہزار
اصفہان . .... ایک لاکھ۔
مشہد .... ایک لاکھ ۲۹ ہزار
ہمدان .... ۹۹ ہزار
شیراز .... ایک لاکھ ۱۹ ہزار
کرمان، کرمانشاہ، ابرو، ۵۰ ہزار سے ۶۰ ہزار تک
قزوین ۴۰ ہزار سے ۵۰ ہزار تک

پرفروش، کاشان، ارمیہ، ۳۵ ہزار سے ۴۰ ہزار تک،
رشت، سنا، ساندلج ۳۰ ہزار سے ۳۵ ہزار تک
رنجان . . . . . ۲۵ ہزار
برج زرد، ریزغل، خوجی، قم ۲۰ ہزار ۲۵ ہزار تک
بیرجند، بوشہر، خونسار، مراغہ، سبزاوار، سمنان۔ اور سو ستر،
۱۵ ہزار سے ۲۰ ہزار تک
استراباد، اردبیل، بندرعباس، برج زرد، دمغان، کوشان،
لاہجان، مناب، نیشاپور، ساری اور ساوہ ۱۰ ہزار سے ۱۵ ہزار تک
امول، بام، دراب، فیروزاباد، گل پائگاں، گازرون، خرم آباد
لار، لنگہ، محمرہ، نصرت اباد، سیستان، نیریز، پہلوی (سابق انزلی)
قین، سوج بولاق، سلطان آباد، تربت حیدری ۰ ہزار سے ۱۰ ہزار تک

طرز حکومت

مطلق العنانی اور شخصی حکومت کا اس ملک میں عرصہ تک دور دورہ رہا ہے بادشاہ وقت سوائے اپنی ذات کے کسی کے سامنے ذمہ دار نہیں ہوتا تھا۔ صرف چند مذہبی اصولوں کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ لیکن زمانہ کی رفتار کے ساتھ جب دوسرے ایشائی ممالک میں بیداری پھیلی اور سلطنت عثمانیہ میں دستوری حکومت کا قیام عمل میں آیا تو ایران کے باشندے بھی خواب غفلت سے چونکے اور انہوں نے ایک ذمہ وار حکومت کے قیام پر زور دیا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۶ء میں رعایا کا یہ مطالبہ انتہا کی حد کو پہنچ گیا۔ اور اس کے نتیجہ کے طور پر ایک قومی مشاورتی مجلس کا قیام عمل میں آیا اس مجلس میں ہر طبقہ کی نمائندگی رکھی گئی تھی، امرا، عمائدین، سردار

جاگیردار، زراعت پیشہ، تاجر، صناع، مذہبی گروہوں کے نمائندے اس مجلس میں شرکت کرتے تھے۔ خاص طہران اور اس کے نواحی سے ۶۰ ممبر منتخب کئے جاتے تھے۔ اور ملک کے دوسرے حصوں سے ۱۰۲ ممبران اس مجلس میں شریک ہوتے تھے۔ ممبران کی تعداد کبھی ۲۰۰ تک پہنچادی جاتی تھی ۱۹۲۸ء میں ۱۳۸ ممبر تھے
اس مجلس کی ممبری حاصل کرنے کے لئے فارسی زبان پر ضرورت کے لائق عبور ہونا لازمی تھا عمر کی قید ۳۰ سال سے ۷۰ سال تک تھی۔ اور اپنے علاقہ میں اچھی شہرت کا مالک ہونا بھی لازمی تھا۔ رائے دہندگی کا حق صرف مردوں کو تھا ۲۵ برس سے کم عمر کا کوئی شخص رائے نہیں دے سکتا تھا۔

سرکاری ملازمین، فوج اور بحری طاقت کے افراد مجلس کے ممبر نہیں ہو سکتے تھے۔ سیاسی مجرم۔ اور سزا یافتہ لوگ بھی مجلس کی ممبری سے محروم تھے۔

محمد علی شاہ قاچار نے دسمبر ۱۹۰۶ء میں دستوری حکومت دینے کا وعدہ کیا اور ۲۱ فروری ۱۹۰۷ء کو باضابطہ مجلس میں آکر تمام ملک کے نمائندگان کے سامنے بحیثیت ایران کے دستوری بادشاہ کے پہلے اجلاس میں شرکت کی لیکن اپنے آبا و اجداد کی طرح یہ بادشاہ بھی ظلم و استبداد اور بے راہ روی کی زندگی سے بہرہ اندوز ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس کو یہ مجلس کی پابندی کچھ راس نہ آئی، اور اس نے مختلف ترکیبوں سے مجلس کو توڑنے کی کوشش کی یہ کوششیں ناکام ہوئیں اور بالآخر اُسے مجبوراً تخت سے دستبردار ہوکر یورپ بھاگ جانا پڑا۔ اس کے بعد اس کے خرد سال بیٹے احمد شاہ کو اس کا جانشین مقرر کیا گیا۔ اس وقت احمد شاہ کی عمر ۱۲ سال کی تھی چنانچہ شاہی اختیارات ایک دوسرے شاہی خاندان کے شاہزادے کو سپرد کئے گئے، ۲۰ سال تک اس بادشاہ کی حکومت رہی لیکن یہ سارا زمانہ سخت مصیبت اور پریشانیوں میں کٹا بالآخر ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو مجلس

نے باتفاق رائے قاچار خاندان کے تمام افراد کو ایران پر بادشاہت کے حقوق سے محروم کر دینے کا فیصلہ کیا اور اپنے باپ کی طرح یہ بھی ملک بدر کر دیا گیا۔

مجلس نے رضا خاں وزیر اعظم کو حکومت کے اختیارات سپرد کئے جو آج کل شہنشاہ رضا شاہ پہلوی کے نام سے تخت ایران پر متمکن ہیں۔ موجودہ شاہ ایران نے ۱۶ دسمبر ۱۹۲۵ء کو ایران کی حکومت بحیثیت بادشاہ کے سنبھالی۔

عام دستوری حکومتوں کے طرز پر ایران کے موجودہ بادشاہ اپنے ماتحت مجلس وزرا کے ذریعہ ملک پر حکومت کرتے ہیں۔ مجلس میں جس پارٹی کو اکثریت حاصل ہوتی ہے بادشاہ اُس پارٹی میں سے وزیر اعظم کا انتخاب فرماتے ہیں اور پھر وزیر اعظم اپنی مجلس وزرا کے لئے رفقا میں سے مختلف ممبران مجلس کو چن لیتا ہے۔ اور پھر یہ سب مل کر ملک کی حکومت کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں

۱۹۳۶ء میں مجلس وزرا وزیر اعظم کے علاوہ گیارہ افراد پر مشتمل تھی جن کے تحت وزارت جنگ، وزارت داخلہ، وزارت مالیات، وزارت عدل و انصاف، وزارت ڈاک اور تار، وزارت تعلیمات اور وزارت امور عامہ وغیرہ ہیں۔

صوبہ جات

مختلف سیاسی اور انتظامی مصلحتوں کی بنا پر موجودہ حکومت نے ایران کو پہلے ۲۶ حصوں میں تقسیم کیا تھا ان پر گورنر جنرل حکومت کرتے تھے۔ جو براہ راست مرکزی حکومت کے ماتحت ہوتے تھے۔ اور ان کا تعلق وزارت داخلہ سے ہوتا تھا۔ ان صوبہ جات کو پھر کئی ضلعوں میں تقسیم کیا گیا تھا جسے ایرانی میں بولق کہا جاتا ہے۔ بولق کی حکومت کا مرکز کوئی گاؤں ہوتا تھا جہاں حکومت کے اختیارات کل گاؤں کے کدخدا یعنی چودھری کے سپرد ہوتے تھے۔ یہ کدخدا گاؤں والوں کے تمام زراعتی، صنعتی، اور معاشی

معاملات میں رہنمائی کرتا تھا۔ آپس کے جھگڑے اور تنازعات کے فیصلے کی غرض سے ایک پنچایت ہوتی تھی جو عموماً عمر رسیدہ بزرگوں کی ایک مجلس پر مشتمل ہوتی تھی۔ ان کو مقدمات کے فیصل کرنے کے کلی اختیارات ہوتے تھے۔ ہر گاؤں کے لئے پانی کا انتظام کرنے کا کام ایک شخص کے سپرد ہوتا تھا۔ اگر مقدمات پنچایت سے طے نہ ہو پائیں تو پھر گاؤں کے ملا صاحب کے فیصلہ کو اس میں ناطق مانا جاتا تھا۔ اور اگر یہاں بھی فریقین رضامند نہوں تو پھر نائب الحکومت کے پاس مقدمہ جاتا تھا، جس کے بعد پھر کوئی اپیل نہیں ہوتی تھی۔

ایران کے ۲۶ صوبے

۱ ۔ استرآباد
۲ ۔ آذربائیجان (تبریز)
۳ ۔ بروجرد
۴ ۔ دمغان
۵ ۔ فارس
۶ ۔ گیلان
۷ ۔ گل پائیگاں
۸ ۔ ہمدان۔
۹ عراق عجم
۱۰ اصفہان
۱۱ ۔ کاشان
۱۲ ۔ کرمان
۱۳ کرمانشاہ
۱۴ ۔ خراسان
۱۵ ۔ خوزستان
۱۶ ۔ کردستان
۱۷ ۔ ملایر
۱۸ ۔ مازندران
۱۹ ۔ نہاوند
۲۰ ۔ قزوین
۲۱ قم
۲۲ ۔ سمنان
۲۳ ۔ رورشاہ
۲۴ ۔ طہران
۲۵ نیرد
۲۶ زنجان

لیکن حال ہی میں حکومت نے ملک کو "۱۰ اوستان" میں تقسیم کیا ہے ہر اوستان کے گورنر کو اوستاندار کہا جاتا ہے۔ پھر ہر اوستان کے کئی حصے ہوتے ہیں ان کو شہرستان کہتے ہیں۔ اور ان کے حاکم کو فرماندار۔ شہرستان کے پھر کئی حصے بخشش نام کے ہوتے ہیں ان کے حاکموں کو بخشش دار کہتے ہیں۔ ہر بخشش کے کئی حصے دہستان نام کے ہوتے ہیں ان کے حاکموں کو دہیہ دار کہا جاتا ہے۔ اس وقت ۴۵ شہرستان ہیں۔

ایران کی فوجی طاقت

۲۱ برس کی عمر میں ایران میں فوجی خدمت لازمی ہو جاتی ہے۔

فوج کی تقسیم اس طرح ہے۔

۱ - ۹ ڈویژن

۲ - ۵ رجمنٹیں

۳ - ۷ - بریگیڈ

۴ - مسلح کاروں والے کئی رسالے

۵ - ۵ ہوائی رجمنٹیں (۲۸۰ ہوائی جہاز)

فوج کی کل تعداد

۳۲۰۰ افسر

اور ۱۱۶۸۰۰ سپاہی

ایران کی فوج نظامی کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تک ہے۔ اس کے علاوہ فوجی پولیس جندرمہ (امینہ) کی تعداد ۱۰ ہزار اور پولیس کی تعداد ۸ ہزار ہے۔

اس وقت ایران کی تمام فوجی طاقت صرف رضا شاہ پہلوی کی مرہون منت ہے۔ کیونکہ خراب اور خستہ حالت والی مختصر فوج جو اس عہد سے قبل تھی وہ اس درجہ ناکارہ اور لغو تھی کہ اس کا عدم و وجود برابر تھا۔ سب سے پہلے باقاعدہ اور منظم فوج کی ترتیب کی۔ ایران میں صرف رضا شاہ کی مرہون منت ہے۔ لیکن موجودہ دور سے پہلے جس بادشاہ کو اس کا خیال آیا وہ شاہ عباس مرزا تھا اس کا خیال تھا کہ روسیوں کی آئے دن کی مداخلت بیجا سے صرف اسی صورت سے چھٹکارا پایا جا سکتا ہے کہ اس

کے مقابلہ کے لئے باضابطہ فوج رکھی جائے۔ اس کے بعد اس کے جانشینوں نے اِس خیال کے ماتحت فوج کی طرف توجہ رکھی۔ چنانچہ رضاشاہ سے قبل مندرجہ ذیل افواج ملک میں موجود تھیں

ساؤتھ پرشیا رائفلز جسے برطانوی فوجی ماہرین نے ترتیب دیا تھا۔ اور یہ فوج ہمیشہ برطانوی اقتدار کے ماتحت رہی۔

پرشین کاسک رجمنٹ۔ اس رجمنٹ کے تمام افسر روسی تھے

جنڈرمہ۔ جنگ عظیم سے قبل سویڈن کے فوجی افسروں کے ماتحت یہ فوج اچھی ترقی یافتہ اور طاقتور شمار ہوتی تھی۔

فوج نظام۔ یہ پرانی طرز کی ایک فوج تھی جس کے پاس بالکل ناکارہ اور از کار رفتہ ہتھیار تھے۔

رضاشاہ پہلوی نے ۱۹۲۱ء وزارت جنگ کا عہدہ، جلیلہ سنبھالتے ہی سب سے پہلے فوج کی طرف توجہ کی اور غیر ملکی عنصر سے ایرانی افواج کو یکسر پاک کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ مذکورہ بالا مختلف افواج کے اختلاف کو مٹا کر بالکل ایک وردی میں رہنے کا حکم دیا۔ غیر ملکی افسروں کو ہٹا کر ایرانی کمانڈر مقرر کئے گئے۔ اور صرف ایرانی زبان میں پریڈ کروانے کا حکم دیا۔ ان تمام انتظامات کے بعد ایران کے پاس ایک طاقتور فوج ہوگئی جس کے افسر تمام ایرانی اور جو صرف ایک ذات رضاشاہ پہلوی کے ماتحت اور تابعدار تھی۔ عرصہ دراز سے جو قبائل بغاوتیں کرتے چلے آئے تھے اُن کو آخری بار دبا دیا گیا۔ اور تحصیل وصول کے لئے۔ بہتر انتظام جاری ہوا۔

ملک میں چھ بڑی چھاؤنیاں بنائی گئیں جن میں سے ہر ایک چھاؤنی میں ایک ایک لشکر (تقریباً ایک ڈویژن) رہتا ہے۔ تبریز۔ طہران۔ کرمانشاہ، شیراز، اور مشہد بڑی اہمیت والی فوجی چھاؤنیاں ہیں۔ دشت میں بہت بڑا فوجی مرکز

ہے، یہاں فوج کا پورا ایک بریگیڈ رہتا ہے۔

فوج کے یہ حصے پوری طرح جدید آلات سے مسلح ہیں۔ ان کے پاس نئی قسم کی توپیں، مشین گنیں، مسلح کاریں ہیں۔ ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ ہتھیار کم و بیش فوج کے ہر حصے کے پاس ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ طاقتور فوجی طاقت طہران پر رہتی ہے۔ ملک کے جس حصے میں ضرورت ہوتی ہے۔ طہران کی ریزرو فوج فوراً موقعہ واردات پہنچتی ہے۔ پایۂ تخت کے قریب ہوائی طاقت کا بھی مرکز ہے۔

فوج میں زیادہ تر وہ نوجوان لئے جاتے ہیں جو طہران کے فوجی کالج کے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی ہونہار نوجوان حال ہی میں یورپ سے فوجی تعلیم پاکر واپس آئے ہیں جو اس وقت اپنے ملک کی فوج کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں فوج کا تمام نظم و نسق خود شاہ کے ہاتھ میں ہے۔ ایک سپہ سالار شاہ کو اس کام میں مدد دیتا ہے۔

جندرمہ (ژاندارمہ) پولیس کا نام ہے۔

بحری طاقت

ایران کے پاس مندرجہ ذیل جنگی جہاز ہیں۔

۱۔ پارسی پولیس ۳۔ پہلوی

۲۔ مظفری ۴۔ عسلوی

ان میں سے سب جہاز بہت اچھی رفتار کے ہیں۔ اور وزن کے لحاظ سے دوسرے ملکوں کے جہازوں سے کم نہیں ہیں۔ ان بڑے جہازوں کے علاوہ چھوٹے جہازوں کی تعداد تقریباً تین سو ہے۔ جو خلیج فارس کے ساحلی علاقہ کی حفاظت میں ہر وقت پھرتے رہتے ہیں۔

ہوائی طاقت

ایران کے پاس ۲۸۰ جنگی ہوائی جہاز ہیں ۔ یہ تمام ترہاکر اور ڈی ہویلانڈ قسم کے ہیں ۔

مذاہب

مسلمانوں کے علاوہ ایک بڑی تعداد غیر مذاہب والوں کی بھی ہے جن میں قابل ذکر حسب ذیل ہیں ۔

زردشتی

جو کچھ بچے کھچے زردشتی اس وقت ایران میں وہ یزد اور کرمان کے علاقوں میں بستے ہیں ۔ ان کے چھوٹے چھوٹے قبائل اصفہان، شیراز، طہران اور کاشان کے آس پاس رہتے ہیں ۔ ان کی وجہ معاش زیادہ تر تجارت ہے ۔ لیکن خاص طور پر باغبانی کے کام میں بہترین صلاحیت رکھنے کے لئے یہ تمام ملک میں مشہور ہیں ۔ اور جہاں بھی بہترین باغبان کی ضرورت ہوتی ہے وہاں یہ زردشتی (پارسی) بلائے جاتے ہیں ان کی معاشی اور سیاسی مصالح کی نگرانی ہندوستانی پارسی کرتے ہیں ۔ جن کا ایک نمائندہ ضرور طہران میں رہتا ہے ۔ ایرانی پارلیمنٹ میں بھی ان کا ایک نمائندہ بھی ہے ۔

ارمنی

ان کی تعداد تقریباً ۷۰ ہزار ہے یہ دو فرقوں میں تقسیم ہیں آذر بائجان میں ان کی ایک بڑی جمعیت ہے ۔ شاہ عباس صفوی نے ان کے چند خاندانوں کو اصفہان

میں بھی لا بسایا تھا۔ ان کا ایک مذہبی پیشوا طہران میں رہکر ملک بھر میں پھیلے ہوئے ارمنی خانوادوں کی خبر گیری کرتا ہے۔ ۱۹۰۹ء کی خانہ جنگی میں ارمنیوں نے ایرانی فوج میں کار نمایاں کئے۔ جس سے ان کے ہم وطن ایرانیوں کے دلوں میں ان کے لئے جگہ ہو گئی۔ اب یہ زیادہ تر تجارت پیشہ ہیں اور کافی سرمایہ دار ہیں۔ ان کا بھی ایرانی پارلیمنٹ میں ایک نمائندہ رہتا ہے۔

نستوری

یہ عیسائی ہیں۔ اور ان کی تعداد کا اندازہ ۶۰ - ۷۰ ہزار کیا جاتا ہے۔ ارمیہ اور ارمن کے آس پاس کے گاؤں و مواضعات ان کے قبضہ میں ہیں۔ عیسائی ہونے کی وجہ سے فطری طور پر ان کی ہمدردی اتحادیوں کے ساتھ زیادہ ہے۔ عیسائی اور روس کا جب تک عمل دخل ایران میں رہا ان کو اپنے متعلق کچھ فکر نہ تھی۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ کوئی بدسلوکی ان کے ساتھ نہیں کی جا سکتی لیکن جب روس نے عیسائیت ترک کی اور ایران سے واسطہ چھوڑا تو ان کو اپنے متعلق زیادہ فکر دامنگیر ہوئی لیکن ایرانی حکومت نے ان کے شکوک کو بہتر سلوک کر کے مٹا دیا۔ اب یہ پرامن طریقے پر بستے ہیں۔

پروٹسٹنٹ، رومن کیتھولک، یہودی، اور بہائی مختلف مغربی ممالک بلجیم، ہالینڈ، انگلینڈ وغیرہ کی نصرانی انجمنیں اور ان کے مدارس ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

بہائی مذہب ۱۸۴۴ء میں جاری ہوا اس مذہب کے بہت تھوڑے پیرو کار ہیں۔

تعلیم

اس شعبہ کی ترقی زیادہ تر موجودہ دور میں رضا شاہ پہلوی کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ناصر الدین شاہ قاچار کے عہد تک بہت افسوسناک طریقہ پر ایران میں جہالت پھیلی ہوئی تھی اس میں شک نہیں کہ مسجدوں میں بچوں کے لئے مکتب پہلے بھی قائم تھے اور وہاں ملا ابتدائی تعلیم فارسی اور قرآن کریم پڑھایا کرتے تھے۔ لیکن یہ ایک بیجان سی تعلیم تھی، بہت کم لوگ بے تکلف لکھ پڑھ سکتے تھے۔ اور ذرا سا بھی لکھنا پڑھنا آجانے پر اپنے کو فاضل اجل مان کر مرزا مشہور کردیا کرتے تھے، ناصر الدین شاہ قاچار نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی سب سے پہلے اس افسوسناک حالت کا اندازہ لگایا اور پہلی بار ایک جدید طرز کی درسگاہ کی بنیاد رکھی۔ اس درسگاہ کا نام مدرسہ شاہی تھا۔ اور اس کا تعلق وزارت تعلیمات سے تھا۔ اس میں داخلہ کے لئے عمر کی قید نہ تھی۔ اور مدت تعلیم ۶ سے ۷ سال تک تھی اسی طرز کے اور مدارس بھی شیراز تبریز اصفہان وغیرہ میں قائم کئے گئے تھے۔ لیکن ان کا دائرہ عمل وسیع نہ ہونے کی وجہ سے جہالت میں خاطرخواہ کمی نہ واقع ہوئی۔ مظفر الدین شاہ قاچار کے عہد میں تعلیم ملک میں عام کرنے کی طرف ایک اور قدم بڑھایا گیا۔ اور عام مدارس کو حکومت کی نگرانی میں لے لیا گیا

اس دور میں رضا شاہ پہلوی کی حکومت تعلیمات کی طرف خاص توجہ مرکوز کر رہی ہے

ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے لئے درسگاہیں بہت ہیں۔ طہران میں ایک یونیورسٹی بھی ہے۔ حکومت کے کثیر التعداد مدارس کے علاوہ غیر ملکی انجمنوں کے قائم کردہ مدارس کی بھی تعداد بہت زیادہ ہے۔

سنہ ۱۹۳۷ء میں وزارت تعلیمات ایران کی رپورٹ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے۔
کہ ابتدائی اور ثانوی مدارس کی تعداد ملک ۳۹۹۴ تھی زیر تعلیم طلبہ کی تعداد
اسی سال ۲۷۳۶۸۰ تھی۔

تمام مدارس حکومت کے زیر اثر ہیں۔ لیکن ذاتی کوششوں سے جو مدارس
ملک میں قائم کیئے گئے ہیں۔ ان کو حکومت کی طرف سے مدد ملتی ہے۔

جو غیر ملکی کمپنیاں ایران میں تیل کے چشموں پر کام کرتی ہیں انہوں نے اپنے
متعلقین اور ملازمین کے لئے علیحدہ مدارس کھول رکھے ہیں۔

عدل و انصاف

سنہ ۱۹۰۶ء اور سنہ ۱۹۰۷ء کی اصلاحات میں مجلس نے اس محکمہ کا کام پانچ،
ممبروں کی ایک کمیٹی کے سپرد کیا تھا۔ یہ پانچ ممبر مجتہد ہوتے تھے، اور کوئی قانون
بغیر ان کی رضامندی کے پاس نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن حالات کا جائزہ لینے سے
پتہ چلتا ہے کہ ان مجتہدوں کی بہت کم سنی گئی اور جو قانون مجلس نے مناسب سمجھا
ملک میں نافذ کیا۔

اس وقت حسب ذیل قانون ملک کی عدالتوں میں نافذ ہیں۔

پینل کوڈ۔ فرانسیسی قانون کی رو سے فیصلے کیئے جاتے ہیں۔ لیکن چند
مخصوص حالات میں شرع اسلامی کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے۔

سول لا

کوڈ آف سول پروسیجر سنہ ۱۹۰۶ء کا روسی قانون رائج ہے اب شرع اسلامی
کی رو سے کچھ ترمیم کی جا رہی ہے۔

کوڈ آف کرمنل پروسیجر۔ یہ بھی سنہ ۱۹۱۰ء کے روسی قانون کے مطابق ہے۔

کمرشل کوڈ - فرانسیسی قانون رائج ہے اب کچھ ترمیم ہو رہی ہے۔
قانون جائداد و آراضی - اس کے متعلق تفصیلات نہ مل سکیں۔

غیر ملکیوں کے لئے قانون

سنہ ۱۹۲۰ء تک اکثر و بیشتر ممالک کی رعایا اپنے مقدمات اور تنازعات میں بالکل آزاد تھی اور صرف اپنی حکومت کے قونصل کے سامنے جاکر فیصلہ حاصل کر لیتی تھی یہ طریقہ ہمیشہ ان ممالک میں برتا جاتا ہے۔ جہاں غیر ملکی اثرات زیادہ ہوں۔ اور ملکی حکومت کمزور ہو۔ مصطفیٰ کمال پاشا کی زبان میں اس کا نام مکمل غلامی ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے ماتحت مختلف ممالک کے فیصلوں کی کونسل بنی ہوئی تھی جو غیر ملکیوں کے تنازعات و مقدمات کے فیصلے صادر کیا کرتی تھی، سب سے پہلے اس قسم کے اختیارات شاہ عباس نے سر انٹونی سرے ایک انگریز افسر کو اس غرض سے دیئے تھے کہ انگریز زیادہ سے زیادہ ایران میں آکر تجارت وغیرہ میں مصروف ہوں - لیکن سنہ ۱۹۲۸ء میں موجودہ گورنمنٹ نے ان تمام غیر ملکی حکومتوں کے اختیارات یک قلم سلب کر لئے اور صرف انگریزوں کے ساتھ چند مراعات باقی رکھی گئیں۔

زراعت اور پیداوار

چاول مازندران گیلان اور کیسپین سی کے علاقوں میں چاول کی کاشت بہت ہوتی ہے۔ وزارت مالیات کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً ان علاقوں میں چاول کی سالانہ پیداوار ۳ لاکھ ۳۰ ہزار اسٹینڈرڈ ٹن ہے لیکن یہ پورے ملک کی سالانہ پیداوار کا تقریباً $\frac{9}{10}$ ہے۔ اس کے علاوہ

بھی اور علاقوں میں چاول کی زراعت کی جاتی ہے۔ لیکن صرف مقامی
ضرورتوں کے لائق۔

سنہ ۱۹۲۵-۲۶ء میں ایران نے روس کو ۱۶۱۴۵۰ اسٹینڈرڈ ٹن چاول بھیجا اور
خود ایران میں ہندوستان سے براہ خلیج فارس ۲۰۳۸۰ ٹن چاول آیا۔

گیلان میں چاول کی کاشت مارچ میں شروع ہوتی ہے۔ اور اگست دسمبر کے
مہینوں میں کھیتی کاٹ لی جاتی ہے۔

جنوبی ایران (فارس) کے علاقہ میں اس کی زراعت کا کام اپریل میں شروع
ہوتا ہے اور ایک انوکھا طریقہ استعمال کیا جاتا ہے یعنے ایک چادر پر ۲-۳ دن
تک چاول کو بھگوئے رکھتے ہیں یہاں تک کہ اس میں جڑیں پھوٹ پڑتی ہیں
پھر اس کو زمین میں تھوڑا سا داب دیتے ہیں۔ اور چند ہی دن بعد اس کو یہاں
سے بھی اکھاڑ کر دوسری جگہ جا کر بو دیتے ہیں۔ ایران میں بہترین چاول
چمپا مانا جاتا ہے۔

۲ **افیم** مشرق اقصیٰ سے افیم کی زیادہ مانگ آنے کی وجہ سے سنہ ۱۸۸۰ء
سے ایران میں افیم کی کاشت بہت زور پر ہے۔ کیونکہ زمیندار اور کاشتکار
دونوں کو اس میں فائدہ نظر آتا ہے اکثر ایرانی تاجر غیر ملکی مال کی قیمت افیم
کی صورت میں ادا کرتے ہیں۔ ۷۷۰۵۱۶ پاونڈ تیار شدہ افیم سنہ ۱۹۱۳-۱۴ء
میں ایران سے باہر گئی۔ تقریباً ۵-۶ فی صدی باشندے افیم نوش ہیں۔

۴۔ **روئی** - زیادہ تر ملکی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بوئی جاتی ہے۔ سالانہ
پیداوار بتیس ہزار ٹن ہے۔
مارچ اور مئی کے درمیانی وقت میں اس کی کاشت شروع ہوتی ہے۔
لیکن روئی پہنچنے اور پریس کرنے کی مشین ملک میں نہ ہونے کی بنا پر غیر

ممالک میں اس کی کھپت بمشکل ہوتی ہے۔ خراسان اصفہان اور نبرد کے علاقے اس کی کاشت کے لئے سب سے زیادہ موزوں ثابت ہوئے۔ موجودہ حکومت کوشش کر رہی ہے کہ روئی کو غیر ممالک میں بھیجنے کے قابل بنانے کے لئے مشین اور ضروری آلات مہیا کئے جائیں تاکہ روئی کو بھی ملک کی آمدنی کا ایک ذریعہ بنایا جا سکے۔

۴۔ خشک اور تازہ پھل

ملک کی آمدنی کا بہترین ذریعہ ہیں۔ بڑی تعداد میں غیر ممالک کو جاتے ہیں سنہ ۱۹۲۵-۲۶ء کی محکمہ جنگی کی رپورٹ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جو پھل غیر ممالک کو ایران سے اس سال گئے ہیں۔ ان کا اندازہ ۸۸۸۱۱ ٹن ہے۔ جس کی قیمت ۱۷۶۲۰۹۰ پاونڈ ہوئی۔ اس میں سے صرف روس کو ۲۶۳۷۰ ٹن خشک پھل گئے۔

اس کے علاوہ برطانوی مقبوضات کو کھجوریں بڑی مقدار میں بھیجی جاتی ہیں۔ یورپ کے مشہور مالکان باغات کا خیال ہے کہ تقریباً تمام پھل جو یورپ میں پیدا ہوتے ہیں وہ ایران میں بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن ایرانیوں نے ایک زمانہ تک اپنے یہاں کی اس دولت کو بڑھانے اور اس سے زیادہ سے زیادہ نفع اٹھانے کی کوشش نہ کی۔

۵ **انگور**۔ سوائے خلیج فارس کے ساحلی علاقوں کے تمام ملک میں انگور پیدا ہوتا ہے۔ اس سے شراب بڑی مقدار میں بنائی جاتی ہے۔ اور غیر ممالک میں بھی جاتی ہے۔ شیراز کی شراب جسے عرف عام میں عرق کہتے ہیں۔ بہت مشہور ہے۔ زیادہ شراب نوش طبقہ ایران میں ارمنی اور

یہودیوں کا ہے۔

ریشم ۔ سنہ ۱۸۶۰ء میں دس لاکھ پاونڈ کا ریشم باہر بھیجا گیا۔ سب سے پہلے اس کی پیداوار بڑھانے کا خیال شاہانِ صفویہ کو ہوا تھا۔ سنہ ۱۸۶۴ء سے سنہ ۱۸۹۰ء تک ایران میں ریشم کی پیداوار بہت کم ہوئی کیونکہ ایک خاص مرض نے ریشم کے کیڑوں کو بڑی تعداد میں فنا کر دیا۔ لیکن پھر ترکی سے کیڑوں کی درآمد سے اب اس کی پیداوار خاطر خواہ ترقی کر رہی ہے۔ اٹلی اور روس کو سنہ ۲۶-۱۹۲۵ء میں تقریباً ۱۶ ٹن ریشم گیا۔ رشت میں ریشم کا کارخانہ ہے۔ کاشان اور یزد کے علاقوں میں ریشم کا کپڑا بہترین بنا جاتا ہے۔

اُون ۔ تمام خانہ بدوش قبایل بھیڑیں پالتے ہیں اس لئے ایران اون کی پیداوار کے سلسلے میں بڑا دولت مند ہے۔ سنہ ۲۶-۱۹۲۵ء ۴۲۰ ۵ ٹن اون باہر گیا۔ چونکہ ملک میں خود نمدہ بافی اور قالین اور غالیچوں کی صنعت عام ہے اس لئے زیادہ تر اون اندرون ملک میں ہی کھپ جاتا ہے اور خام شکل میں بہت کم باہر بھیجا جاتا ہے۔

بہترین غالیچے اور قالین سلطان آباد۔ ہمدان ۔ تبریز، قم، شیراز، کرمان، خراسان فارس میں بنے جاتے ہیں۔

۶۵۳۰۴۳ بھیڑیں گذشتہ سال روس بھیجی گئیں

تمباکو ۔ تمباکو نوشی کی عادت عام ہو جانے سے اور تمباکو پر جنگی کے زیادہ ہونے کی وجہ سے ایران میں تمباکو کی کاشت پر اب بہت زیادہ زور دیا جا رہا ہے۔ سنہ ۱۹۲۵ء مصر کو ۱۰۲۸ ٹن تمباکو بھیجی گئی۔

زیادہ تر ایران میں تمباکو حقہ میں استعمال کی جاتی ہے۔ حقہ کو ایرانی زبان میں قلیان کہتے ہیں۔

جنگلات اور لکڑی

گیلان، مازندران اور کوہ البرز کے جنوبی ڈھلوانوں پر گھنے جنگلات کھڑے ہیں۔
لیکن اس لکڑی سے کوئی معقول فائدہ اب تک حکومت نے نہیں اٹھایا۔ ۱۹۳۰ء میں
یورپ کی حکومتوں نے اس لکڑی سے فائدہ اٹھانے کی طرف توجہ دلائی چنانچہ کئی ٹھیکے
غیر ملکی حکومتوں کو دیئے گئے جنھوں نے جنگل کے جنگل صاف کر دیئے۔
۵۰ ہزار پاونڈ قیمت کی لکڑی روس کو بھیجی گئی، لرستان، بختیاری اور کردستان
میں بھی لکڑی بہت ہے۔ جنوبی ایران سوائے کوغیلو کے قبائلی اضلاع کے ایک صحرا ہے
لیکن مقامی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لائق لکڑی ان مقامات میں بھی میسر آجاتی ہے۔
لیکن درختوں کے کٹنے کے بعد دوسرے درختوں کے بونے کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔
اب موجودہ حکومت نے غیر ملکی ماہرین جنگلات کو بلا کر اس طرف توجہ کی ہے۔

مصنوعات

ایران زراعتی ملک ہے۔ صنعتی ملک نہیں۔ سالانہ آمدنی کا ۷۵ فی صدی
حصہ زرعی پیداوار کا ہوتا ہے۔ ایران میں راس مال کی قلت ہے اور جو غیر ملکی حکومتوں
کی طرف سے غیر ملکی راس مال سے کارخانے وغیرہ جاری کئے گئے۔ تقریباً وہ سب کے سب
ناکام ہوئے۔
گیس، شیشہ، شکر، دیا سلائی اور کپڑے کے کارخانے یکے بعد دیگرے
جاری کئے گئے اور فیل ہو گئے۔
لیکن اب ان دو تین سالوں میں ایران نے صنعتی اعتبار سے بھی بڑی نمایاں
ترقی کی ہے قزوین کے ایک ترقی پسند باشندے نے جبر یز سے اپنے ذاتی راس مال

سے رشت میں ایک کارخانہ ریشم کے کپڑے بننے کا قائم کیا اور اُسے بہت کامیابی
سے چلانے کے بعد ایک اور کارخانہ نزدیں بھی اب قائم کیا ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا
کہ یہ کارخانے ضرور کامیاب ہوں گے لیکن چونکہ مرکزی حکومت ہر وقت ان کارخانوں
کی مدد پر آمادہ رہتی ہے اور ٹھیکے اور زر نقد کی صورت میں ہمت بڑھاتی رہتی ہے
اس لئے خیال ہوتا ہے کہ یہ کارخانے اب بند نہیں ہوں گے۔

ایران کے مشہور و معروف قالین اور غالیچے ۲۶-۱۹۲۵ء میں تقریباً ڈیڑھ ملین پاؤنڈ
کی قیمت کے باہر بھیجے گئے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ موجودہ دور ترقی میں صنعت کو بڑھانے
کی جو کوششیں عمل میں لائی جا رہی ہیں وہ ضرور بار آور ثابت ہوں گی اور ملک میں بڑی تعداد
میں کارخانے قائم ہو جائیں گے۔ ابھی حکومت نے دو کارخانے اپنی نگرانی میں جاری
کئے ہیں۔ ایک پارچہ بافی کا کارخانہ ہے۔ دوسرا سگریٹ سازی کا۔

مچھلی

ایران کے ساحلی علاقوں پر مچھلی پکڑنے کا ٹھیکہ عرصہ دراز سے روس کے پاس
چلا آ رہا ہے۔ دوران جنگ عظیم میں یہ ٹھیکہ ٹوٹ گیا تھا۔ کیونکہ پریشان کن حالات
کی بنا پر روسی ٹھیکہ دار کمپنی اپنے واجبات نہیں ادا کر سکی۔ لیکن پھر حکومت نے
ایک دوسری روسی کمپنی کو ٹھیکہ دے دیا جو اب تک ہے۔

ذرائع آمد و رفت

۲۱ جون ۱۹۳۲ء سے ۲۰ جون ۱۹۳۳ء تک کی رپورٹ دیکھنے سے پتہ چلتا
ہے کہ ایرانی بندرگاہوں میں جو جہازات آئے اُن کا مجموعی ٹناژ ۵۴۵۰۰ ٹن تھا۔
ذیل میں ہر ایک ملک کے ساتھ اوس کے جہازوں کی فہرست لکھی جاتی ہے۔ جو

ایرانی بندرگاہوں میں آئے

برطانوی	۵۱۶۳۰۳۶	ٹن
جرمنی	۵۱۷۰۲۶	"
ناروے	۳۸۵۸۱۰	"
اٹلی	۲۵۸۸۵۱	"
جاپان	۲۳۹۶۸۰	"
ہالینڈ	۱۸۲۷۶۳	"

حکومت نے ملک میں سڑکیں بنوانے کا کام بڑے پیمانے پر جاری کر رکھا نئی سڑکیں زیر تعمیر ہیں اور پرانی سڑکوں کی مرمت اور درستی کی طرف توجہ ہے۔ بڑی بڑی سڑکیں حسب ذیل ہیں۔

طہران۔ قزوین۔ پشپ۔ پہلوی سڑک، ۲۳۰ میل لمبی یہ روسیوں نے بنائی تھی لیکن ۱۹۲۱ء کے معاہدہ کی رو سے اس پر اب حکومت ایران کا قبضہ ہے۔

قزوین۔ ہمدان۔ کرمانشاہ، قصر شیریں سڑک ۳۸۰ میل لمبی ہے۔

طہران۔ ہمدان براہ نوباران سڑک ۲۰۴ میل۔

تبریز۔ جلفہ۔ خوئی۔ ۱۴۰ میل

یہ سڑکیں بالکل جدید طرز کی ہیں اور موٹر و لاری کی آمد و رفت کے لئے ہر طرح موزوں ہیں۔

اس کے علاوہ ۱۴۔ ۱۵ سڑکیں اور ہیں لیکن یہ بہت بہتر حالت میں نہیں ہیں

طہران۔ سمنان۔ دامغان، شاہ رود، نیشاپور اور مشہد سڑک ۵۸۰ میل

طہران، فیروزکوہ، علی آباد۔ مشہد سار، استرآباد۔ سڑک ۱۶۰ میل۔

مشہد، کوچان۔ عاشق آباد۔ ۱۹۰ میل۔

۴۔ طہران، قم، نذر، دلی جان، اصفہان ۲۸۷ میل

۵۔ اصفہان، یزدکشت، شیراز ۲۹۰ میل۔

۶۔ اصفہان، نین، یزد، کرمان ۴۰۰ میل

۷۔ اصفہان، سلطان آباد، گل پائگان، ہمدان، ۲۶۷ میل

۸۔ قزوین، زنجان، میانہ تبریز ۲۷۰ میل

۹۔ مشہد۔ تربت حیدری۔ بیرجند، وزداب ۶۰۰ میل

۱۰۔ بوشہر، بورس جن، خازرون شیراز ۱۸۰ میل

۱۱۔ بوشہر، بندر دلام، ہندیان، حلف اباد، اہواز ۵۵۰ میل

۱۲۔ ہمدان۔ ملایار، خرم آباد ۱۹۰ میل

۱۳۔ محمرہ، اہواز ۹۰ میل۔ دزفول ۱۹۰ میل

۱۴ محمرہ، آبادان ۱۰ میل

ریلوے

کیسپین سی اور خلیج فارس کو ملانے والی ریلوے لائن ۱۹۳۰ء میں تکمیل کو پہنچی اس بڑی لائن کے علاوہ ایک سمنان گرمسار برانچ لائن بھی ہے یہ ۱۴۰ کیلومیٹر لمبی ہے (یہ جون ۱۹۳۹ء مکمل ہوئی)

ٹرانس ایرانین ریلوے کی لمبائی ۸۷۰ میل ہے۔ فاصلہ تبریز سے حلفا ۸۵ میل صوفیان سے شرف خانہ ۳۰ میل ہے۔

۱۸۹۶ء میں صرف ایک چھوٹی پٹری کی پانچ میل لمبی ریلوے لائن تھی یہ طہران سے زیارت گاہ شاہ عبدالعظیم تک جاتی تھی اس میں زیادہ تر درگاہ کے زائرین کی راحت کا خیال رکھا جاتا تھا۔

میلن [illegible] بعد [illegible] کی توسیع کا کام زور شور پر رہا۔ اور تبریز سے سے ایرانی [illegible] سرحد تک [illegible] میل لمبی ریلوے لائن بنائی گئی۔ جو کہ مقام جلفا پر روسی کاکیشائی [illegible] ہے۔ پھر شریف خانہ سے جھیل ارمیہ تک ایک برانچ لائن ۳۰ میل لمبی تعمیر کی گئی۔ یہ دونوں لائنیں ایک روسی کمپنی نے بنائی تھیں اور اس پر آمدورفت کا سلسلہ سنہ ۱۹۱۶ء میں جاری ہوگیا تھا۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں یہ لائن حکومت ایران کے قبضہ میں دیدی گئی۔ بندر پہلوی سے اندرون ملک میں مال اسباب لانے میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے دشت اور پیر بازار تک ایک لائن ۷½ میل لمبی بنائی گئی۔ علاوہ بریں دوران جنگ عظیم میں حکومت ہند نے میرجاوہ سے دزداب تک ایک لائن ۱۰۴ میل لمبی بنائی ہے۔ انگلو ایرانین آئیل کمپنی نے دیر خزینہ سے قرون کے تیل کے چشموں تک ایک ۳۵ میل لمبی لائن بنائی تھی جو اب تک ہے۔ لیکن اس کو چونکہ کمپنی خاص اپنے کام میں لاتی ہے اس لئے ہم اس کو کسی طرح ایرانی ریلوے کے سلسلوں میں شمار نہیں کر سکتے۔

تار

۱۲؍ مارچ سنہ ۱۹۳۷ء کی رپورٹ مظہر ہے کہ ٹیلیگراف کا سلسلہ ملک میں ۱۱۴۳۶ میل پر پھیلا ہوا ہے۔ سنہ ۱۸۶۳ء میں اس سلسلہ میں جو ایران اور حکومت برطانیہ کے درمیان معاہدات ہوئے تھے اُن کی رو سے تار کا انتظام حکومت ہند کے زیر انتظام تھا۔ اس کی دو شاخیں تھیں۔

(۱) انڈو یوروپین ٹیلیگراف لائن جس کا سلسلہ طہران، قم، کاشان، اصفہان، شیراز اور بوشہر۔ اور وہاں سے فاو اور کراچی تک تار کے ذریعہ خبر رسانی کے سلسلہ کی یہ لائن ۶۶۹ میل لمبی ہے۔ اور اس میں سات اسٹیشن ہیں۔

دوسری شاخ سنٹرل پرشیا ٹیلیگراف ہے جو طہران براہ کاشان یزد، کرمان، بام، پھر سرحد بلوچستان تک ہے۔ یہ لائن ۷۷۶ا میل لمبی ہے۔ اور اس پر ۱۰ اسٹیشن ہیں انڈو یوروپین ٹیلیگراف کمپنی طہران اور تبریز کے درمیان پیغام رسانی کا انتظام کرتی ہے۔ لیکن ۲۸ فروری ۱۹۳۱ء کو یہ تمام تار کا سلسلہ حکومت نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اب سوائے جسک اور گوادر کے درمیانی سلسلہ کے تمام ملک میں تار کے سلسلہ کا انتظام خود حکومت کے ایک ادارے کے ذمے ہے۔ جس کا نام۔

ایرانین ٹیلیگراف ایڈمنسٹریشن ہے۔ سب سے پہلے ایران میں ٹیلیگراف لائن ۱۸۵۹ء میں بننا شروع ہوئی۔ یہ لائن ۱۸۶۲ء میں بن کر مکمل ہوئی۔ یہ طہران سے تبریز تک تھی۔ اور اس کا فاصلہ کل ۱۶۰۱ میل تھا۔ پھر بعد میں اس کو جلفا تک بڑھا دیا گیا۔ اور روسی ٹیلیگراف لائن سے ملا دیا گیا بعد میں ایران اور حکومت برطانیہ میں ایک معاہدہ ہوا اور ہندوستان کے تار کے سلسلہ کو یورپین ممالک کے سلسلوں سے ملانے کے لئے بغداد سے کرمانشاہ، ہمدان، طہران، اصفہان، شیراز، اور بوشہر کو ملا کر ہندوستان کے تار کے سلسلہ سے ملا دیا گیا۔

ڈاک

حکومت سڑکیں بنانے پر بہت زور دے رہی ہے۔ پرانی سڑکوں کی مرمت اور نئی سڑکوں کی تعمیر کی طرف بہت زیادہ توجہ ہے۔

چالوس کی سڑک کوہ خاندوماں میں ۱۸۴۰ میٹر لمبی سرنگ کاٹ کر نکالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ سڑکوں کا مفصل حال ہم دوسری جگہ درج کر چکے ہیں۔ ایران میں ۱۸۷۴ء تک باقاعدہ ڈاک خانے بالکل نہیں تھے۔ صرف حکومت ہندوستان کے اہتمام میں چند سرحدی مقامات پر ڈاک کا اچھا انتظام تھا

شاہ ناصر الدین قاچار کی سیاحت یورپ سنہ ۱۸۷۳ء کے بعد دو ماہرین ڈاک آسٹریا سے بلائے گئے۔ انہوں نے مستقل انتظام ڈاک کا کیا۔ اس کے دو سال بعد سنہ ۱۸۷۵ء میں پہلی بار ایران میں ڈاک کے ٹکٹ کا استعمال کیا گیا۔ بعد میں حکومت ہند کی سفارش پر ایران کو بین الاقوامی اتحاد ڈاک میں شامل کر لیا گیا۔

سنہ ۱۹۲۹ء میں ۶۱۹۹۸۰۰ لفافے اور پوسٹ کارڈ ڈاک کے ذریعہ اندروں ملک میں بھیجے گئے۔ اور ۱۵۱۸۴۰۰ لفافے اور ۲۲۶۰۰ پوسٹ کارڈ غیر ممالک بھیجے گئے

وائرلیس

حکومت کے وائرلیس اسٹیشن طہران، تبریز، مشہد، کرمان شاہ، پہلوی کرمان، خرم شہر اور شیراز میں قائم ہیں۔ طہران کا سلسلہ وائرلیس براہ طلس دزد بیروت یورپ سے ملا ہوا ہے۔ سب سے پہلے سنہ ۱۹۲۵ء وزارت مواصلات نے روس سے خرید کر ایک وائرلیس اسٹیشن طہران سے باہر قائم کیا تھا۔

ٹیلیفون

ٹیلیفون کے متعلق نئے سالوں کی رپورٹیں دستیاب نہو سکیں چنانچہ سالہائے گذشتہ کی رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ طہران میں ۱۵ ٹیلیفون ہیں اس کے علاوہ اکثر بڑے بڑے شہروں میں ٹیلیفون کا سلسلہ لگا ہوا ہے۔

سکہ اوزان اور پیمانے

ایران کے سونے کے سکہ کا دارومدار "ریال پر ہے" اس سونے کے سکہ میں ۰.۰۷۳۲۲۲۸۲ گرام سونا ہوتا ہے۔ ایک "پہلوی" میں سعڈیال،

ہوتے ہیں۔

حکومت کے ایک حکم مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۲ء سے سونے کے سکہ کا استعمال محدود کر دیا گیا ہے

اب زیادہ تر دارومدار ریال پر ہے۔ اس میں ۴ء۱۴ گرام چاندی ہوتی ہے یہ قران کا ہم قیمت سکہ ہے۔

یکم مارچ ۱۹۳۶ء سے حکومت نے ملکی اور غیر ملکی سکہ کے تبادلہ کی قیمت مقرر کی چنانچہ ایک انگریزی پاونڈ کے بدلے ۸۰ ریال ملتے ہیں۔ موجودہ دور میں سکوں کی ساخت کو بہتر سے بہتر بنانے کی بہت کوشش کی گئی ہے۔ زیادہ تر سکے روس اور برمنگھم (برطانیہ) کے ڈھلے ہوئے ہیں۔ لیکن امپیریل بنک آو پرشیا کی معاونت سے ایک ٹکسال طہران میں بھی قائم کی گئی ہے۔ جہاں ابھی معمولی پیمانے پر مگر خوبصورت سکے ڈھالنے کا انتظام ہے۔ سونے کے سکے کا رواج بالکل اٹھ گیا ہے۔ اور اس لئے بازاروں میں تبادلہ کے وقت بہت کم نظر آتا ہے لیکن بالکل مفقود بھی نہیں ہے۔ چنانچہ ہر سال ضرور چند سونے کے سکے جاری کئے جاتے ہیں۔ امپیریل بنک آو پرشیا نے چاندی کے سکے کے ہم قیمت کئی بنک نوٹ بھی جاری کئے ۱، ۲، ۵، ۱۰، ۲۰، ۵۰ اور ۱۰۰ تومان کے ہوتے ہیں۔

قدیم اوزان اور پیمانے بند کر دیئے گئے ہیں اور اب صرف میٹرک سسٹم کے مطابق عمل ہوتا ہے۔

بنک

ایران میں حسب ذیل بنک ہیں۔

۱۔ امپیریل بنک آو ایران

۲- بنک ملی ایران
۳- عثمانیہ بنک
۴- بنک ملی ایران کا شعبہ امداد باہمی
۵- بنک پہلوی-
۶- روسی بنک-

مالیات

سنہ ۳۹-۱۹۳۸ء کی آمدنی و خرچ کا اندازہ حسب ذیل ہے

	سنہ ۳۶-۱۹۳۵ء	سنہ ۳۷-۱۹۳۶ء	سنہ ۳۸-۱۹۳۷ء	سنہ ۳۹-۱۹۳۸ء	سنہ ۴۰-۱۹۳۹ء
	۱۰۰ ریال	۱۰۰۰ ریال	۱۰۰۰ ریال	۱۰۰ ریال	۱۰۰۰ ریال
آمدنی	۷۵۱۱۲۳	۱۰۰۰۱۶	۱۹۳۵۰۰۲	۱۵۲۰۸۹۲	۱۹۳۰۰۹۶
خرچ	۷۵۸۲۷	۱۰۰۰۰۸	۱۲۴۸۰۳۷	۱۵۲۷۰۱۷	۲۶۱۳۴۸۲

زیادہ تر آمدنی محصول چنگی ، انگلو ایرانین آئل کمپنی کی آمدنی شکر اور چاء کا ٹھیکہ لگان آراضی اور موٹر اور پیوں پر ٹیکس سے ہوتی ہے۔

حکومت کو جو آمدنی چنگی سے ہوئی وہ حسب ذیل ہے۔

جون سنہ ۱۹۳۳ء - جون سنہ ۱۹۳۴ء ۱۸۱۱۲۱۲ ریال
" سنہ ۱۹۳۴ء - " سنہ ۱۹۳۵ء ۲۹۹۸۶۰ "
" سنہ ۱۹۳۵ء - " سنہ ۱۹۳۶ء ۲۱۴۴۶۵۴ "

انگلو ایرانین آئل کمپنی نے حکومت کو جو رقم ادا کی وہ حسب ذیل ہے

سنہ ۱۹۳۴ء میں ۲۱۵۹۱۴۳ ریال

سنہ ۱۹۳۵ء میں ۲۱۹۱۹۲۱ ریال
سنہ ۱۹۳۶ء میں ۲۸۵۰۲۰۶ "

تجارت

۲۵ فروری سنہ ۱۹۳۱ء سے تجارت پر باضابطہ حکومت کی نگرانی ہے۔ ایران کے تجارتی مرکز۔ تبریز، طہران، ہمدان، مشہد، اصفہان ہیں۔ ایران کی بڑی بندرگاہیں خلیج فارس کے ساحل پر بندر عباس، خرم شہر، بوشہر، اور بندر شاہپور ہیں۔ اور استرا، پہلوی (انزلی) مشہد سار، بندر گویز اور بندر شاہ بحرۂ کیسپین پر ہیں۔

چھ سال کا مال کی درآمد برآمد کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

سال	درآمد پاؤنڈ	برآمد	سال	درآمد پاؤنڈ	برآمد پاؤنڈ
سنہ ۱۹۳۲/۳۳ء	۶۶۵۱۵۴۹	۱۷۰۴۵۴۴۱	سنہ ۱۹۳۵-۳۶ء	۱۱۸۸۵۶۹۸	۲۲۵۲۶۶۸۰
سنہ ۱۹۳۳-۳۴ء	۱۰۴۶۲۸۵۱	۲۲۵۸۵۶۸۶	سنہ ۱۹۳۶-۳۷ء	۱۳۳۳۴۳۶۴	۲۷۹۱۲۵۹۶
سنہ ۱۹۳۴-۳۵ء	۱۱۰۳۵۹۶۶	۲۵۸۷۷۹۵۶	سنہ ۱۹۳۷-۳۸ء	۱۷۳۲۷۹۸۸	۳،۷۹۹۷۶۶

ذیل کے نقشہ سے درآمد اور برآمد شدہ اشیا کی قیمت ریال میں لکھی جاتی ہے۔

درآمد	سنہ ۱۹۳۷-۳۸ء	برآمد	سنہ ۱۹۳۷-۳۸ء
	ریال ۱۰۰۰		۱۰۰۰ ریال
روئی	۱۸۳۱۱۵	معدنی تیل	۱۸۷۷۲۶۳
چاء	۷۰۳۲۵	قالین	۱۰۴۷۷۳

درآمد	سنہ ۱۹۳۷-۳۸ء	برآمد	سنہ ۱۹۳۷-۳۸ء
	۱۰۰۰ ریال		۱۰۰۰ ریال
شکر	۹۰۹۴۶	خام روئی	۸۷۳۹۱
دھاتیں	۱۸۸۶۵۳	اون	۶۶۵۰۵
مشینری اور اوزار	۹۲۰۴۳	کھالیں	۸۱۵۷۵
موٹر	۴۷۸۹۶	افیم	۴۸۱۲۷
ٹائر اور ٹیوب	۳۵۴۰۱		

انگلو ایرانین آئیل کمپنی کی تیل کی برآمد کے علاوہ ہم ذیل میں مختلف ممالک عالم کے ساتھ ایران کی تجارت کا نقشہ دیتے ہیں۔

ممالک عالم جہاں سے مال آیا یا جہاں گیا	درآمد		برآمد	
	سنہ ۱۹۳۶-۳۷ء	سنہ ۱۹۳۷-۳۸ء	سنہ ۱۹۳۶-۳۷ء	سنہ ۱۹۳۷-۳۸ء
	ایک ہزار ریال	ایک ہزار ریال	ایک ہزار ریال	ایک ہزار ریال
روس	۲۷۷۸۵۸	۳۱۵۴۳۵	۲۶۹۷۵۹	۲۳۴۹۹۹
جرمنی	۱۹۰۴۱۲	۲۴۷۱۹۴	۱۳۷۶۳۵	۱۹۸۸۵۰
ریاستہائے متحدہ امریکہ	۸۱۳۵۶	۸۳۰۴۸	۷۴۲۹۹	۵۵۱۴۸
برطانیہ	۵۶۸۸۰	۷۹۳۹۷	۶۵۸۸۰	۸۹۳۹۷
برطانوی ہند	۳۹۵۴۶	۷۴۲۱۵	۲۶۱۳۶	۳۱۴۰۳۳
جاپان	۳۳۶۱۶	۳۲۱۵۷	۱۳۴۹۶	۲۶۲۶۹

حصّۂ دوم

تمہید

حصّہ اوّل میں آپ نے ایران کے متعلق وہ معلومات حاصل کرلیں جو کسی ملک کی دنیا میں سیاسی حیثیت اور وقعت معلوم کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اب آپ کے سامنے حصّہ دوم ہے۔ یہ بتائے گا کہ اس نئے دورِ پہلوی کی ابتدا کس طرح ہوئی ایران کے غبار آلود مطلع کو کاٹ چھانٹ کر کونسا نیّر تاباں چمکا۔ کہ جس کے سامنے سے ملکی مفاد کی مخالف قوتیں ایک ایک کر کے مرجھاتی چلی گئیں تا آنکہ جنگ عظیم اور مابعد کے ایران کے "مرد بیمار" کی جگہ ایک منظم اور ترقی یافتہ حکومت نے لی۔ جس کا نشانِ شاہی "شیر و خورشید" دنیا کی اور بڑی حکومتوں کے نشانوں کے دوش بدوش اڑکر اپنے ملک کی شان و شوکت اور حقیقی عظمت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اور جو غیر ملکی قوتیں کل تک اس سرزمین پر اپنی ریشہ دوانیوں اور طاقت کے بل بوتے پر اپنا سکہ جمائے بیٹھی تھیں وہ کس طرح اب اس نئی ابھرتی ہوئی طاقت کے سامنے سے ایک ایک کرکے کھسکنا شروع ہوئیں تا آنکہ ایران نو کے بانی رضا شاہ پہلوی نے اس ملک کے تختِ شاہی پر قدم رکھا اور اپنے سر کو پُرانے ساسانیوں کے تاجِ شاہی سے زینت دی اس کے بعد وہ دور شروع ہوتا ہے۔ جو ایران کی تاریخ میں عہد زریں کے نام سے یاد کیا جائے گا۔ اور جو حقیقی طور پر اس کا مستحق ہے کہ مہذب دنیا کی ترقی یافتہ اقوام اس سے باخبر رہیں۔ اور جن قوموں کو ابھی ترقی کی منزلیں طے کرنا ہیں وہ اس سے سبق حاصل کریں کہ

> ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

بہتر یہ ہے کہ پہلے ہم رضا شاہ پہلوی کے عہد سے قبل کے ایران کا ایک رخ دکھا

دیں جس سے آپ کے سامنے تصویر کے دونوں رُخ آجائیں اور آپ کو جدید ایران کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کا موقعہ مل جائے۔

رضا شاہ سے قبل ایران کی حالت

خودسری اور مطلق العنانی انسان کی فطرت کا خاصہ ہے۔ اپنے کو برتر اور دوسروں کو فروتر دیکھنے کے لئے اکثر طبیعتیں بیچین رہا کرتی ہیں اور یہ مقصود جب ہاتھ آجاتا ہے۔ تو پھر اس قربانگاہ پر ہزاروں بیگناہ جانوں کا خونِ ناحق ناکردہ گناہوں کی پاداش میں بہایا جاتا ہے۔ اور اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ اُن معصوم روحوں کی جن کو مقتل میں تڑپتا دیکھ کر ایک طاغوت کی خون آشام نگاہوں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ انسانیت اس جبر و استبداد کے نیچے پڑی کراہتی ہے۔ مگر کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔ لیکن اس دنیا میں ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔ کہ استبداد پسند طبیعت کی طاغوتیت کا دور قانون وقت کے حکم سے ختم ہوتا ہے۔ اور پھر وہی مجبور و مظلوم فرقہ عوام کو اپنی مسلسل آزمائشوں کے بعد کچھ سکون نصیب ہوتا ہے اور اقتدار اعلیٰ اس کے ہاتھ میں آجانے سے حالات تغیر پذیر ہو جاتے ہیں جیسے کئی دن تک ابر و باد کے طوفان کے بعد ایک دم آسمان سے کالی بدلیاں چھٹ جائیں اور اوپر سے چمکتا ہؤا سورج زمین والوں پر اپنی شعاعیں ڈال ان کے دلوں کو دوبارہ گرما دے

شخصی بادشاہت کے تلخ تجربہ یورپ کو بھی ہوں گے وہاں بھی مطلق العنانی کا دور دورہ رہا ہے لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ساکنان مغرب بہت جلد بیدار ہوگئے۔ اپنی خودی کو پہچان گئے۔ اور اپنے مطلق العنان بادشاہوں کی دراز دستیوں پر دستوری حکومت کا پہرہ دار بٹھا دیا۔ مگر یہ مشرق اپنی گذشتہ عظمت و شوکت کے بعد جسے اب صرف افسانہ کا درجہ حاصل ہے۔ ایسی لمبی تان کر سویا کہ خواب غفلت سے اسے بیدار کرنے کی

ہر کوشش رائگاں گئی۔ ایسے بیخبر سونے والے کو کون جگا سکتا تھا، اب صرف وقت کا انتظار تھا کہ اس کے قانون کے مطابق اقوام کی غفلت و بیداری کے لئے زمانہ متعین ہے۔ چنانچہ انتظار کی گھڑیاں خدا خدا کرکے ختم ہوئیں اور مشرق کی مردہ رگوں میں بھی زندگی کے خون نے دوڑنا شروع کردیا۔ کسی قوم کا معیار زندگی معلوم کرنے کے لئے پہلے اس کی غفلت کی گھڑیاں گن لینی چاہئیں تاکہ دونوں حالتوں میں صحیح موازنہ کا موقعہ مل جائے۔

ایران کا خطۂ سرسبز و شاداب جہاں زمین کے اوپر ہری بھری کھیتیوں اور تر و تازہ باغات کی کثرت ہو اور جہاں زمین کے نیچے بے شمار اور بے اندازہ دولت چھپی پڑی ہو وہاں اگر کسی کا قدم جم جائے تو پھر بتایئے کہ اب زندگی کا کونسا لطف ایسا باقی رہا جو میسر نہو۔ محمد شاہ قاچار نے ایران میں حکومت حاصل کی اور وہ طویل عہد شروع ہوا جس کی مختصر داستان ہمیں سنانا ہے۔

ایران کے ساتھ قاچار خاندان کا کیا سلوک رہا؟ وہی جو ایک شخصی بادشاہت کے دور میں ہوتا ہے۔ شہنشاہ کی ذات تمام رعایا کے لئے ایک معبود کا درجہ رکھتی تھی، رحم انصاف اور حق پرستی کا گذر نہ تھا۔ ہاں ان صفات کا مظاہرہ بادشاہ کی اپنی مرضی پر تھا۔ وہاں کوئی قانون نہ تھا۔ خود بادشاہ کی زبان قانون تھی جس کو گرفتار کرلیا گیا پھر اس کو حبس بیجا سے چھڑانے والا کوئی نہیں اور اگر مجرم کی رسی ڈھیلی کردی گئی تو ضائع شدہ حق کے بدلے میں اس پر فرد جرم قائم کرنیوالا کوئی نہیں۔

پہلے جب قاچار خاندان کے شاہان ایران کو سیر و سیاحت کا اتنا سودا سوار نہیں ہوا تھا کہ وہ ملک کی دولت کو غیر ممالک میں جاکر تفریحات میں اڑایا کریں تو عیش پرستی کی صحبتیں پایۂ تخت طہران میں منعقد ہوتیں۔ ندیموں اور مصاحبوں کو دولت و عزت سے مالا مال کیا جاتا اور طہران کے قصر گلستان کے طاق و ایوان بیش قیمت سامان

آرائش سے سجائے جاتے ۔ ارباب نشاط کی گرم بازاری رہتی رعایا اور ملکی مفاد کی طرف سے آنکھ بند کر کے انہیں مشاغل میں دن اور رات بسر ہوتے ۔ یہ افسوسناک حالت بھی مظلوم رعایا کے لئے قدرے قابل برداشت تھی کیونکہ ملک کی دولت ملک ہی میں رہتی تھی لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ رعایا کو جبر و تشدد کے جھیلنے کے بعد بھی ایک اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا یہ مصیبت وقتی نہیں تھی اس نے سرزمین ایران کے در و دیوار کو ہلا دیا ۔ اور اس کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہ رہا کہ اُس خاندان ہی کو سرے سے نابود کر دیا جائے ۔ جس کے ہاتھوں اہل ملک کو یہ مصیبتیں جھیلنا پڑ رہی تھیں چنانچہ جیسا کہ بعد میں معلوم ہوگا ایسا ہی کیا گیا ۔ قاچار خاندان کے ہاتھوں جو نئی آفت رعایا پر ٹوٹی وہ کیا تھی ۔ یورپ کی سیریں ۔ تفریحیں، لندن و پیرس و برلن کے تماشا گاہوں، سیر گاہوں اور رقص خانوں میں شاہان ایران کے ہاتھوں ملکی دولت کا اصراف!

یہ بادشاہ کس قدر عیش کوش اور آرام طلب تھے اس کا اندازہ اس سے کیجئے ۔ فتح علی شاہ قاچار بعض اوقات ہفتوں اور مہینوں اپنی حرم سرا قصر گلستاں سے باہر نہیں آتا تھا ۔ اس عرصہ میں وقت کس طرح کٹتا تھا ۔ آرام سے بلّور کی بنی ہوئی مسہری پر بیٹھے ہوئے اپنی ایک ہزار لونڈیوں کی جھرمٹ میں گھرے ہوئے یہ ایران کے ”جاں عالم“ یا تو رقص و سرود سے دل بہلایا کرتے یا اگر شوق چرّاتا تو ان کنیزوں میں سے ایک کو اشارہ ہوتا وہ فوراً قلم دوات لے کر مستعد ہو جاتی اور پھر بادشاہ شاعری شروع کرتے ۔ غزلوں پر غزلیں لکھوائی جاتیں اور پھر ان غزلوں کو دربار کے مشہور شعرا کو سنا کر اون سے داد طلب کی جاتی ۔ جس کی داد کا انداز شاہی مزاج کو بھاتا فوراً اس کے لئے خلعت نقد انعام اور جاگیروں کا حکم ہو جاتا ۔ اس بادشاہ کو کبھی یہ پتہ ہی نہ چلا کہ میرے کارندے کتنا ظلم و ستم ڈھا کر رعایا سے روپیہ وصول کر کے لاتے ہیں ۔ اس کو صرف روپیہ چاہیئے تھا ۔ جو خواہش کے وقت فوراً ملتا

چاہیئے۔ اگر مصاحب اور ہم نشین اس ضرورت کو پورا کر دیتے ہیں۔ تو پھر اون کیلئے سب جرم معاف اور اون کا نامۂ اعمال شاندار کارناموں سے مزین۔ شاندار کارناموں کی فہرست اگر لکھی جائے تو یہ ہوگی۔

شاہی فوج کی ایک جمعیت نے کسی گاؤں کو بیخبری کے عالم میں گھیر لینا۔ خواہ یہ گاؤں سرکاری مالگذاری ادا کر چکا ہو، لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ دوبارہ نہ ادا کرے اور گاؤں کا گھیراؤ ڈالنے پر متعدد جگہ ٹکٹکی نصب کرنا اور جس دیہاتی کو اپنے مال و متاع کو ان کے حوالے کرنے میں ذرا تامل ہو۔ اوس کو فوراً ٹکٹکی پر باندھ کر شاہی مفاد کی خاطر اتنا زدوکوب کرنا کہ پھر اس کے لئے صرف دو راستے رہجائیں یا جان سے جائے یا بادشاہ کے لئے اپنی ساری عمر کی پونجی کی تھیلی ان بے درد کارندوں کی گود میں الٹ دے۔ یا شہر کے کسی دولت مند تاجر یا ساہوکار سے ڈرا دھمکا کے بھاری رقم وصول کرنا اور بادشاہ کو جا کر نذر کر دینا۔ رعایا کو یہ سب برداشت کرنا ہوتا تھا کیوں کہ بادشاہ ظل اللہ تھے پھر اگر کوئی داد فریاد کے لئے بادشاہ تک آنا چاہے تو اُسے سارے راستے مسدود ملتے تھے۔ ان راستوں سے گذرنے کے لئے۔ روپیہ خرچ کرنا پڑتا تھا۔ قدم قدم بادشاہ کے مصاحبوں کا مال و دولت سے منہ بھرتے جاؤ! تب جاکے کہیں ایک لمحہ یا دو لمحے کے لئے بادشاہ کی حضور میں رسائی ہوتی تھی اور بسا اوقات یہ بھی ہوتا تھا کہ اتنی جانفشانیوں کے بعد جب وقت آیا تو بادشاہ شراب میں مدہوش ہیں جو کہا جاتا ہے وہ سنتے نہیں۔

بعد کے بادشاہوں نے اپنی عیش کوشیوں اور راحت رسانی کے لئے روپیہ حاصل کرنے کی ایک اور تدبیر نکالی۔ جب روپیہ کی ضرورت ہوئی۔ یورپ کا سفر کیا وہاں کسی غیر ملکی کمپنی سے بات چیت کی اور کسی چیز کا ٹھیکہ ملک میں دیدیا۔ جو رقم کمپنی نے اس سلسلہ میں نذر کی وہ خاص خزانہ شاہی میں گئی اور کچھ روز تک

اس سے کام چلا جب اُس کا قصہ پاک ہوا۔ تو فوراً اس کمپنی کا ٹھیکہ منسوخ کر کے کسی دوسری غیر ملکی کمپنی کو ٹھیکہ دیدیا۔ اور کچھ عرصہ کے لئے پھر رنگ رلیوں کا سامان ہوگیا۔ اسی قسم کی ناروا حرکتیں شاہان ایران نے انیسویں صدی سے خصوصیت سے شروع کردی تھیں اور یورپین طاقتوں کو ایشیا کے دوسرے ممالک میں قدم جمانے میں جو دقتیں اٹھانا پڑیں ان کا ایران میں وجود بھی نہ تھا۔ یہاں قدم جمانے کے لئے بڑا سستا نسخہ یہ تھا کہ بادشاہ کو رقم پہ رقم دیتے جاؤ۔ اور ملک پر مختلف حیثیتوں سے اور مختلف ناموں سے قبضہ کرتے چلے جاؤ۔

فتح علی شاہ قاچار کے جانشین ناصرالدین شاہ قاچار نے اپنے پیشرو بادشاہوں سے بڑھکر ایک قدم اٹھایا اور ملک کے صرافہ اور خزانہ کو بالکل یورپ کے حوالہ کردیا۔ اب بادشاہ کے لئے کام ہی کیا رکھا تھا جس کے انصرام اور انتظام کے لئے ملک میں قیام ضروری ہوتا چنانچہ ہمیشہ ناصرالدین اپنا وقت یورپ کی سیر و سیاحت میں بسر کرتا۔ مختلف کمپنیوں کو ٹھیکے دینے کا مشغلہ جاری رہتا چنانچہ بحرہ کیسپین میں مچھلی پکڑنے کا مستقل ٹھیکہ روس کے پاس تھا اور انڈو یورپین ٹیلیگراف کمپنی کے نام سے برطانیہ نے اپنا تسلط جما رکھا تھا۔ ناصرالدین شاہ کے یورپ کے متعدد سفر ملک کے لئے بیش از بیش تباہی اور فلاکت کے باعث ہوئے ملک کی آمدنی اور جو کچھ ان ٹھیکوں سے وصول ہوتا وہ پیرس کی مہ جبینوں کی نذر ہوتا اور جب وہاں سے واپسی ہوتی تو ان لعبتان فرنگ کی ایک فوج ساتھ ہوتی ان کے لئے لباس نئی وضع قطع اور نئی تراش خراش کے یورپ ہی میں بنتے اور ایران کے خزانہ سے ان کی قیمت ادا کی جاتی۔ قصر گلستان طہران میں سلطان کی بیگمات میں تقریباً ہر ایک کی ضروریات زندگی یورپ سے آتیں تھیں۔ ایران کے خزانہ میں جتنے بیش قیمت ہیرے اور جواہرات تھے وہ بھی ناصرالدین شاہ نے نہ چھوڑے اور لندن و پیرس کے جوہریوں کو کوڑیوں کے مول جا کر بیچ دیئے۔

طہران سے پانچ میل کے فاصلہ پر ایک مشہور زیارت گاہ شاہ عبدالعظیم ہے۔

اپنی سالگرہ کے موقعہ پر یہ بادشاہ یکم مئی ۱۸۹۶ء کو ایک مرتبہ اس زیارت گاہ میں نماز پڑھنے کے لئے گیا۔ مجمع بہت تھا۔ پولیس اور فوج کے جوان بادشاہ کے ارد گرد چل رہے تھے کہ ایک دم ایک سن رسیدہ ایرانی ایک عرضی ہاتھ میں لئے آگے بڑھا۔ جھک کر بادشاہ کو اداب بجا لایا۔ اور عرضی پیش کی بادشاہ نے عرضی ہاتھ میں لی اور پڑھنا شروع کیا ہی تھا کہ ایک پستول کی گولی بادشاہ کے سینے سے پار ہو گئی۔ زیارت گاہ اور اوس کے قرب میں ایک شور محشر بپا ہو گیا۔ فوج اور پولیس نے فوراً اس بوڑھے ایرانی کو گرفتار کر لیا جس نے عرضی دے کر بادشاہ کی توجہ مبذول کی اور موقعہ پا کر اپنی لمبی قبا میں چھپے ہوئے بھاری پستول کو نکال کر بادشاہ پر فائر کر دیا۔

ناصر الدین شاہ کی فضول خرچیوں سے جو کچھ ملک کے خزانہ میں بچا وہ مظفر الدین شاہ کے ہاتھ لگا۔ اس بادشاہ کا طرز عمل بھی اپنے پیشرو سے کچھ مختلف نہ تھا۔ بلکہ اس نے روپیہ وصول کرنے کی ایک اور تدبیر نکالی اور غیر ملکی حکومتوں سے قرض لینا شروع کیا برطانیہ اور روس کو ملک میں زیادہ سے زیادہ مراعات دینا شروع کیں ملک کا انتظام اپنے وزیر اعظم اتابک اعظم کے سپرد کر کے یہ یورپ کے میخانوں کی سیر کرتا پھرتا اور ادھر اتابک اعظم مختلف چالوں سے خزانہ کو لوٹا کرتا یہاں تک کہ ایران میں اس وزیر کی دولت ضرب المثل ہو گئی تھی۔ مظفر الدین خوب جانتا تھا کہ میرے بعد ملک میں اتابک کیا کرتا ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ روپیہ کی بھوک صرف اسی طرح بجھ سکتی تھی کہ اتابک اعظم اگر خزانہ کو لوٹے تو بادشاہ کی فضول خرچیوں کیلئے بھی کچھ رقم بادشاہ کی جھولی میں ڈالدے۔ یہی اتابک اعظم وہ حضرت ہیں جنہوں نے برطانیہ کو ایک وقت میں تیس ملین روبل کے عوض تیل کے چشمے حوالے کر دیئے اور کچھ رقم روس سے اینٹھ کر سرحدی علاقہ پر تحصیل وصول کرنے کی اجازت دیدی۔

محمد شاہ قاچار کا سارا وقت ایران پر قدم جمانے میں بسر ہوا لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا

چاہیئے کہ ان کے عیش و آرام میں کوئی فرق آگیا۔ قصر گلستانی طہران سے ہمیشہ عیش و آرام کے شادیانے بجتے رہتے اور اس میں چراغاں کا وہی عالم تھا۔ کہ جس سے رات دن کی طرح روشن ہوتی تھی۔ محلسرا میں چھوکریوں کنیزوں کی تعداد ہزاروں تک تھی اور ہرسال کے خاتمہ پر اُن کے بطن سے صاحبزادے پیدا ہوتے رہتے تھے جو آگے چل کر شاہزادگی کی نقاب اوڑھکر ملک کو تباہ و برباد کرنے میں باپ کا اور دوسرے اعمال حکومت کا ہاتھ بٹاتے تھے۔

حکومت کی اِن بدنظمیوں کو دیکھ کر بعض حساس دل رکھنے والے ایرانی شعرانے۔ انقلاب کے گیت گانے شروع کئے۔ اس دور کے مشہور انقلابی شعرا میں شرف کا نام بہت نمایاں ہے۔ اس وقت حالت اس درجہ ابتر ہوگئی تھی کہ ایک ایرانی شاعر نے ایران کو تشبیہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ یہ ملک کسی بڈھے کے مرجھائے ہوئے بازو کی خشک ہتیلی ہے۔

احمد شاہ قاچار نے مستقل پیرس میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ دن رات شراب وکباب میں مست رہتا اور ملکی دولت کو پانی کی طرح لٹاتا

فرانس کے مشہور سیاسی گوپی نو نے احمد شاہ کی حالت کو دیکھ کر یہ کہا تھا کہ کبھی نہ کبھی ایران ایک پکے ہوئے پھل کی طرح یورپ کی گود میں آپڑے گا۔ یہ افسوسناک داستان اب ختم ہوئی اب نئے دور کا آغاز ہو رہا ہے۔

رضا شاہ پہلوی

۱۲ دسمبر ۱۹۲۵ء کا وہ مبارک دن ہے جب آخری بار ان مصائب سے خلاصی پانے کے لئے ایرانی پارلیمنٹ "مجلس" نے قاچار خاندان کو ہمیشہ کے لئے تخت ایران سے محروم کرتے ہوئے کاسک بریگیڈ کے کمانڈر، رضا کے سر پر شاہی

تاج زرنگار رکھا فارس یا پرشیا نام ممنوع قرار پایا اور قدیم نام ایران کو زندہ کیا گیا۔ نئے بادشاہ نے شاہی تاج کو خود اپنے ہاتھ سے سر پر پہنا۔ یہ اس بات کا جتلانا تھا کہ یہ مرتبہ ذاتی کوششوں سے حاصل ہوا ہے کسی کو اس میں دخل نہیں۔

تاریخ ایران میں یہ دن اس لئے مشہور رہیگا۔ کہ گذشتہ عہد کے برخلاف یہ عظیم الشان انقلاب بغیر ایک قطرہ خون بہائے ہوئے ظہور پذیر ہوا۔

اب نئے بادشاہ کی اصلاحات اور انتظامات ملکی سے پہلے اس کی ذاتی زندگی پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال لیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کس ماحول اور کن اثرات سے متاثر ہو کر وہ اس انقلاب کا بانی ہوا۔

پیدائش اور ذاتی حالات

مازندران میں سواد کوہ کے قریب دریائے تالار کے کنارے ایک قدیم قلعہ الشات قائم ہے۔ ۱۶ر مارچ ۱۸۷۸ء کو اس قلعہ کے مالک مرزا عباس علی خاں ابن مراد علی خاں کے یہاں ایک فرزند تولد ہوا اس کا نام رضا قلی رکھا گیا۔

قلعہ الشات کا یہ نیا وارث ایک روز نہ صرف اپنے صوبہ مازنداں کا بلکہ تمام ایران کا وارث تخت و تاج ہونے والا تھا۔ باپ دادا عرصہ سے شاہی فوج میں بڑی حیثیت کے مالک تھے اور سپاہگری ان کا آبائی پیشہ تھا۔ آس پاس کے علاقوں میں جو قبائل بستے تھے اُن کی زبانوں پر رضا قلی کے آباو اجداد کے سپاہیانہ کارنامے اور ان کے دلوں پر اس خاندان کی عظمت و احترام کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ مشہور ہے کہ عباس علی خاں بڑا شہزور آدمی تھا اپنے ہاتھ میں لوہے کی موٹی سلاخوں کو لیکر موڑ دیتا تھا۔ اور تین تین گھوڑوں کو برابر کھڑا کر کے اُن کے اوپر سے تڑپ جاتا تھا۔ ہاتھ میں روپیہ لیتا۔ اور انگوٹھے سے ایسا مسلتا کہ تمام تحریریں مٹ جاتیں۔ ناصرالدین شاہ قاچار نے جب افغانستان کے خلاف

ایران کی تلوار اٹھائی تو رضا کا باپ قبائلی فوج کے ساتویں دستے کا سالار تھا اور اپنی موروثی بہادری اور ہمت سے کام لیتا ہوا مردانہ وار اپنی فوج کو لئے ہرات کی شہر پناہ تک جا پہنچا اور ایک گھمسان کی لڑائی کے بعد بالآخر ۲۶ ر نومبر ۱۸۷۸ء کو اس کے سپاہیوں نے اسے میدان میں مقتول پایا۔

رضا کی تربیت و تعلیم

اس وقت رضا کی عمر آٹھ مہینہ کی تھی۔ یہ بچہ اپنے موروثی قلعہ الشات میں پرورش پاتا رہا۔ جب ذرا کچھ بڑا ہوا اور چلنے پھرنے کے لائق ہوا تو اکثر قلعہ کے خدام کے ساتھ سیر کو باہر نکلتا۔ اور اس کے قبائل اور قرب وجوار کے مرغزاروں اور ہرے بھرے جنگلات کی سیریں کرتا۔ اس زمانہ میں اس کی نگاہوں کے سامنے کس قسم کے واقعات آتے ۔

رعایا کی فلاکت اور افلاس کے رنجدہ مناظر عمال حکومت کے جابرانہ رویئے۔ لوٹ مار اور قتل وغارتگری کی گرم بازاری امن کا فقدان افراتفری اور بےچینی سے رعایا کی بدحالی ۔

رضا قلی کی عمر بڑھی تو آباواجداد کے دستور کے مطابق اس نے فنون سپاہگری میں کمال پیدا کرنا شروع کیا۔ گھوڑے کی سواری نیزہ بازی نشانہ بازی انہیں مشاغل میں وقت کٹتا تھا مشاق اور پرانے استاد وفنونِ سپاہگری کے حصول میں آئندہ ترقی کرنے والے اس سپاہی کو مدد دیتے تھے۔

تعلیم کے لئے الگ معلم مقرر تھے۔ یہ ان کے پاس بھی وقت صرف کرتا لیکن ہمیشہ اس کے استاد اس بات کے شاکی رہے کہ رضا کو پڑھنے لکھنے میں زیادہ وقت صرف کرنے سے جی الجھتا ہے عام طور پر جو طریقۂ تعلیم اس وقت ایران میں مروج تھا وہ خصوصاً

بچوں کے لئے انتہائی غیر دلچسپ اور صبر آزما تھا۔ طوطے کی طرح چند دعائیں یاد کرنا بے سمجھے
قرآن کی آیات کو پڑھتے رہنا۔ ان میں ایک بچے کا جی کب لگ سکتا ہے۔ اور عموماً دیکھا
گیا ہے کہ دنیا کی تاریخ کو شاندار کارناموں سے بھر جانے والے نفوس کتابوں کے بے معنی
مطالعہ سے اپنی زندگی ختم نہیں کیا کرتے

رضا نے موافق اور مخالف فضلا سے کیا اثرات قبول کئے

رضا کو کبھی کبھی اپنے قلعہ میں کسی مجتہد یا ملا صاحب کا وعظ بھی سننا پڑتا تھا۔ ان
وعظوں میں عموماً بارہ اماموں کے قصے آنے والے امام مہدی کا تذکرہ اور قصر گلستاں
طہران کے مکیں حضرت ظل الٰہی کے دربار کی شان و شوکت کا حال بیان ہوتا تھا۔
قلعۂ الشات کے پاس ایک قصبہ ولی آباد نامی ہے اس قصبہ میں جو آبادی
ہے وہ ایران میں وہی درجہ رکھتی ہے جو ہندوستان میں ہندوؤں کے یہاں
برہمنوں کو حاصل ہے۔ ناصرالدین شاہ کے عمال حکومت میں سے ایک شخص آسٹریا
کا رہنے والا گاسٹا نگر خاں بھی تھا۔ یہ بڑا عیار اور چالاک تھا۔ ایک بار شاہی حکم سے یہ
ولی آباد پہونچا شاہی حکم تھا کہ اس قصبہ کے بیچ سے ایک سڑک نکالی جائے
گاسٹا نگر خاں نے ولی آباد کے سادات کی آبادی سے چاہا کہ وہ سڑک بنانے میں
حصہ لیں لیکن ان کی مقدس ہستیاں ایسا ذلیل فرض کیسے انجام دیتیں چنانچہ نتیجہ یہ
ہوا کہ کام بند ہو گیا۔ گاسٹا نگر خاں خوب سمجھتا تھا کہ اگر ان سبز عمامے باندھنے والے
سیدوں کو مار پیٹ کیا گیا تو یہ بڑی توہین تصور ہو گی اور شورش برپا ہو جائیگی چنانچہ
اس شورش سے بچنے کے لئے اس نے ایک تدبیر نکالی۔ سیدوں کے سروں پر سبز
عمامہ بڑی مقدس چیز سمجھا جاتا تھا اس نے ایک تدبیر سوچی، جو سید سڑک بنانے
سے انکار کرتا فوراً اس کے سبز عمامے کو سر سے اتارتا اور اسے بڑی عقیدت سے

آنکھوں سے لگاتا چومتا اور ایک طرف کسی اونچی جگہ پر رکھ دیتا اور پھر اُن سید صاحب کی خوب مرمت کرتا اور اس کے بعد پھر عمامہ اٹھا کر بڑی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے آنکھوں سے لگاتا چومتا اور پھر اُن سید صاحب کے سر پر رکھ دیتا۔ اس قسم کے قصے اور جو نتائج ان سے اخذ کئے جا سکتے ہیں وہ رضا کے کان میں پڑتے رہے۔

ملاؤں اور مجتہدوں کے طبقے اور اُن کی فضول زندگی کو دیکھ کر رضا نے کبھی ان کی تعلیم میں جی نہیں لگایا۔ اس کا کام صبح سویرے ہی اٹھ کر اپنے رفیقوں کے ساتھ قلعہ سے نکل کر میدانوں اور پہاڑوں پر گھوڑے دوڑانا سپاہگری کے کرتبوں کی مشق کرنا اور واپس آ کر شاہنامۂ فردوسی کے حیات افروز قصے سننا تھا۔ اُس زمانے میں نوعمر رضا کو ناصرالدین شاہ قاچار کے سفرنامۂ یورپ سے بڑا انس تھا۔ اپنے دوستوں سے اس سفرنامہ کو سنا کرتا لندن، پیرس، برلن، اور یورپ کے دیگر مقامات کے حالات سن سن کر بہت متعجب ہوتا۔ جب اُس کے دوست جو پایۂ تخت آتے جاتے رہتے تھے۔ بتاتے کہ بادشاہ یورپ سے بہترین گھوڑے لایا ہے۔ فوج کو نئے اصولوں پر تربیت دیا جا رہا ہے۔ نئی عمارتیں تعمیر کی جا رہی ہیں سڑکوں پر ایسے کھمبے کھڑے کئے جا رہے ہیں جن پر تار لگے ہوئے ہیں۔ تو یہ باتیں رضا بہت متحیر کرتیں اور اس کے دل میں یہ امنگ پیدا ہوتی کہ وہ بھی کسی فوج میں شامل ہو کر اپنے آباواجداد کے قدیمی پیشہ سپاہگری کو اختیار کرے۔

فوجی ملازمت کی خواہش

رضا کے دل میں یہ خواہش تھی فوج میں اُس کی ملازمت معمولی سپاہی سے نہ شروع ہو اسی فکر میں تھا کہ ایک روز ایک پیغامبر طہران سے گھوڑے پر سوار آیا اور اس نے قلعہ کے قریب ہر قبیلہ کے خیمہ کے قریب کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ ناصرالدین شاہ کو درگاہ شاہ عبدالعظیم میں قتل کر دیا گیا۔

بچوں کے لئے انتہائی غیر دلچسپ اور صبر آزما تھا۔ طوطے کی طرح چند دعائیں یاد کرنا بے سمجھے قرآن کی آیات کو پڑھتے رہنا۔ اس میں ایک بچے کا جی کب لگ سکتا ہے۔ اور عموماً دیکھا گیا ہے کہ دنیا کی تاریخ کو شاندار کارناموں سے بھر جانے والے نفوس کتابوں کے بے معنی مطالعہ سے اپنی زندگی ختم نہیں کیا کرتے

رضا نے موافق اور مخالف فضلے سے کیا اثرات قبول کئے

رضا کو کبھی کبھی اپنے قلعہ میں کسی مجتہد یا ملا صاحب کا وعظ بھی سننا پڑتا تھا۔ ان وعظوں میں عموماً بارہ اماموں کے قصے آنے والے امام مہدی کا تذکرہ اور قصر گلستان طہران کے مکیں حضرت ظل الٰہی کے دربار کی شان و شوکت کا حال بیان ہوتا تھا۔

قلعۂ الشاث کے پاس ایک قصبہ ولی آباد نامی ہے اس قصبہ میں جو آبادی ہے وہ ایران میں وہی درجہ رکھتی ہے جو ہندوستان میں ہندوؤں کے یہاں برہمنوں کو حاصل ہے۔ ناصرالدین شاہ کے عمالِ حکومت میں سے ایک شخص آسٹریا کا رہنے والا گاسٹائگر خاں بھی تھا۔ یہ بڑا عیار اور چالاک تھا۔ ایک بار شاہی حکم سے یہ ولی آباد پہونچا شاہی حکم تھا کہ اس قصبہ کے بیچ سے ایک سڑک نکالی جائے گاسٹائگر خاں نے ولی آباد کے سادات کی آبادی سے چاہا کہ وہ سڑک بنانے میں حصہ لیں لیکن ان کی مقدس ہستیاں السا ذلیل فرض کیسے انجام دیتیں چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ کام بند ہو گیا۔ گاسٹائگر خاں خوب سمجھتا تھا کہ اگر ان سبز عمامے باندھنے والے سیدوں کو مار پیٹ کیا گیا تو یہ بڑی توہین تصور ہوگی اور شورش برپا ہو جائیگی چنانچہ اس شورش سے بچنے کے لئے اس نے ایک تدبیر نکالی۔ سیدوں کے سروں پر سبز عمامہ بڑی مقدس چیز سمجھا جاتا تھا اس نے ایک تدبیر سوچی، جو سید سڑک بنانے سے انکار کرتا فوراً اس کے سبز عمامے کو سر سے اتارتا اور اسے بڑی عقیدت سے

آنکھوں سے لگاتا چومتا اور ایک طرف کسی اونچی جگہ پر رکھ دیتا اور پھر اُن سید صاحب کی خوشامد کرتا اور اس کے بعد پھر عمامہ اٹھا کر بڑی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے آنکھوں سے لگاتا چومتا اور پھر اُن سید صاحب کے سر پر رکھ دیتا۔ اس قسم کے قصے اور نتائج ان سے اخذ کئے جا سکتے ہیں وہ رضا کے کان میں پڑتے رہے۔

ملاؤں اور مجتہدوں کے طبقے اور اُن کی فضول زندگی کو دیکھ کر رضا نے کبھی ان کی تعلیم میں جی نہیں لگایا۔ اس کا کام صبح سویرے ہی اٹھ کر اپنے رفیقوں کے ساتھ قلعہ سے نکل کر میدانوں اور پہاڑوں پر گھوڑے دوڑانا سپاہگری کے کرتبوں کی مشق کرنا اور واپس آکر شاہنامۂ فردوسی کے حیات افروز قصے سننا تھا۔ اُس زمانے میں نوعمر رضا کو ناصر الدین شاہ قاچار کے سفرنامۂ یورپ سے بڑا انس تھا۔ اپنے دوستوں سے اس سفرنامہ کو سنا کرتا لندن، پیرس، برلن، اور یورپ کے دیگر مقامات کے حالات سن سن کر بہت متعجب ہوتا۔ جب اُس کے دوست جو پایۂ تخت آتے جاتے رہتے تھے۔ بتاتے کہ بادشاہ یورپ سے بہترین گھوڑے لایا ہے۔ فوج کو نئے اصولوں پر تربیت دیا جا رہا ہے۔ نئی عمارتیں تعمیر کی جا رہی ہیں سڑکوں پر ایسے کھمبے کھڑے کئے جا رہے ہیں جن پر تار لگے ہوئے ہیں۔ تو یہ باتیں رضا بہت متحیر کرتیں اور اس کے دل میں یہ امنگ پیدا ہوتی کہ وہ بھی کسی فوج میں شامل ہو کر اپنے آبا و اجداد کے قدیمی پیشہ سپاہگری کو اختیار کرے۔

فوجی ملازمت کی خواہش

رضا کے دل میں یہ خواہش تھی فوج میں اُس کی ملازمت معمولی سپاہی سے نہ شروع ہو اسی فکر میں تھا کہ ایک روز ایک پیغامبر طہران سے گھوڑے پر سوار آیا اور اس نے قلعہ کے قریب ہر قبیلے کے خیمے کے قریب کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ ناصر الدین شاہ کو درگاہ شاہ عبد العظیم میں قتل کر دیا گیا۔

قبائل نے اس خبر کو بڑی حیرت سے سُنا اور اُن کے چہرے مرجھا گئے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک ایران کی قدیمی عظمت کا واحد علمبردار ناصرالدین شاہ تھا۔ رعایا۔ کو ایسا معلوم ہؤا گویا یہ پیغام میر ایران کے تباہ ہوجانے کی اطلاع دے رہا ہے۔ فوج کو اس بادشاہ سے بڑی عقیدت تھی اس لئے سپاہیوں نے یہ سمجھا کہ اب اُن کی ترقیاں بالکل ختم ہو جائیں گی۔

رضا نے ان مسافروں سے جو طہران آیا جایا کرتے تھے پایۂ تخت کی کیفیت سنی تھی قصر گلستان کی پُر شکوہ عمارت کے اوصاف میدان توپخانہ کی وسعت اور اس میں بیشمار توپوں کا ہونا۔ بادشاہ کے دیوزاد باڈی گارڈ دستہ کی زرق برق وردیاں یہ سب باتیں رضا سنتا تو طہران جانے کا خیال دل میں پیدا ہوتا۔

ایران میں زمانہ طفلی بہت تھوڑا ہوتا ہے ۱۵ برس کی عمر کا لڑکا ایران میں جوان تصور ہوتا ہے اور ۱۷ برس کی عمر تک اسے اپنی معاش کے لئے خود کوئی صورت نکالنی ہوتی ہے۔ رضا نے اب اس عمر میں قدم رکھ دیا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ اپنے معاش کے لئے خود کوئی تدبیر کرے۔

ملازمت

رضا کا ایک چچا نصرالدولہ خاں طہران میں کاسک رجمنٹ میں کسی عہدہ پر مامور تھا اس لئے رضا نے سوچا کہ طہران چل کر چچا سے خواہش کی جائے کہ کاسک رجمنٹ میں کوئی ملازمت مل جائے۔ اس خیال سے رضا ایک قافلہ کے ساتھ جو طہران آنے والا تھا روانہ ہو گیا۔ اس وقت رضا کی عمر بیس سال کی تھی۔ قافلہ میں بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو کربلا وغیرہ جا رہے تھے۔ ان سے جدا ہونے وقت رضا نے خواہش کی تھی ان مقامات پر پہنچ کر میرے لئے بھی دعا کرنا۔

طہران میں آمد

طہران میں نوجوان رضا اس ہئیت سے داخل ہوا کہ سر پر ایک نمدے کی ٹوپی پاؤں میں مراکو چمڑے کے بھاری بوٹ اور بدن پر سرداری تھی۔ یہاں پہنچ کر عجب عالم نظر آیا ہر طرف ایک اداسی چھائی ہوئی بازاروں اور گلی کوچہ میں فقیروں اور درویشوں کے گلے کے گلے ادھر ادھر پھرتے تھے در و دیوار سے خستگی اور کہنگی کے آثار ہویدا تھے۔

راستہ پوچھتا پوچھتا یہ کسی صورت سے اپنے چچا کے مکان تک پہنچا۔ چچا نے بھتیجے کی آؤ بھگت کی فوراً سفر کی تکان دور کرنے کے لئے تبدیلی لباس اور غسل وغیرہ کا انتظام کیا اور ہر طرح سے بھتیجے کو آرام پہونچانے میں چچا نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھا۔

رضا روزانہ طہران کی سیر کو نکلتا۔ میدان توپخانہ میں بیشمار پرانی اور زنگ آلودہ توپوں کو دیکھتا وزارت کی عمارتوں پر نظر ڈالتا ان پر عربی میں لکھے ہوئے خوبصورت اور ہیجان الفاظ نظر آتے وزیروں کے حالات سنتا کہ اپنے زمانۂ اقتدار میں ہر وزیر کا یہ معمول ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ دولت خزانہ حکومت سے اڑالی جائے۔

نصر الدولہ خاں رضا کے چچا خود شاہی فوج میں ملازم تھے وہ نہیں چاہتے تھے، کہ نوآمدہ رضا کو حکومت کے درپردہ رازوں اور وزیروں کی بے عنوانیوں سے آگاہی حاصل ہو وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ رضا بادشاہ کی خدمت کرے باقی بادشاہ کے ذاتی حالات سے واسطہ نہ رکھے کیونکہ وہ بادشاہ کی ذات کو اتنا بلند سمجھتے تھے جیسے زمین سے آسمان۔ اُس وقت فوج میں بدنظمی کا یہ عالم تھا کہ تنخواہ مہینوں نہیں ملتی تھی ایک بار ایک فاقہ زدہ پلٹن نے اپنے کمانڈر کے بنگلہ پر حملہ بول دیا۔ آہنی جنگلہ توڑ کر اندر گھس گئے اور بعض سپاہی اتنے بھوکے تھے کہ چلنے میں لڑکھڑا رہے تھے

ناصر الدین شاہ پہلا بادشاہ تھا جس نے یورپین طرز پر فوج کو ترتیب دینا چاہا۔

ایک بار روس سے واپسی میں محافظت کے خیال سے حکومت روس نے ناصر الدین شاہ کے ساتھ ایک رجمنٹ کر دی تھی جو ایران کی سرحد تک بادشاہ کو چھوڑ کر واپس چلی گئی۔ بادشاہ کو اس رجمنٹ کی ترتیب اور نظام بہت پسند آیا۔ اور حکومت روس سے خواہش کی کہ کچھ فوجی ماہرین بھیج دیے جائیں تاکہ اُن کی نگرانی میں ایرانی سپاہ کی ایک فوج تیار کرے، جب یہ فوج نئے اصولوں پر تربیت پا چکی تو اس کا نام روسی کاسک رجمنٹ رکھا گیا۔ تخت ایران کے وارث صرف اسی فوج پر اعتماد رکھتے تھے۔ اور اپنی جان کی حفاظت اسی ہی رجمنٹ کی سپرد کر رکھی تھی چونکہ اس فوج میں زیادہ تر افسر روسی حکومت کے بھیجے ہوئے تھے۔ اس لئے یہ تمام تر روسی اثرات کے ماتحت تھی اور ایرانیوں کو اس فوج کے نظم و نسق میں کوئی دخل نہ تھا، چنانچہ نصر الدولہ خاں جیسا باحیثیت آدمی بھی اپنے بھتیجے رضا کو فوج میں ملازم نہیں رکھوا سکتا تھا۔ روسی ہر ایرانی کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ جب نصر الدولہ خاں نے اپنے بھتیجے کے متعلق پوری ذمہ داری کا یقین دلایا تب رضا کو کاسک رجمنٹ میں جگہ ملی اور سن ۱۹۰۰ء سے رضا نے شاہی ملازمت میں قدم رکھا۔

فوج کے کمانڈر سے وزیر جنگ

جب رضا نے فوجی ملازمت میں قدم رکھا تو ملک کی عجب حالت تھی سیاسی تحریکیں زور پکڑتی جا رہی تھیں۔ بادشاہوں کی بدعنوانیاں تعلیم یافتہ ایرانیوں پر آشکارا ہو چلی تھیں ہر شہر اور گلی اور کوچے میں سیاسی انجمنیں بنی ہوئی تھیں۔ اور ہر انجمن اپنا الگ الاپ الاپتی تھی کوئی سیاسی خیال ان میں آپس میں مشترک نہ تھا، ملک تیزی کے ساتھ انقلاب کی طرف جا رہا تھا۔ رضا نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی رجمنٹ میں اپنی فطری بہادری اور دلیری اور سپاہیانہ قابلیت کا مظاہرہ کر کے اپنے افسروں اور فوج

کے عام سپاہیوں کی نگاہ میں ایک بلند جگہ حاصل کر لی تھی۔

روسی اثرات کے ملک میں بیحد بڑھ جانے کی وجہ سے ملک میں بہت بےچینی پیدا ہو چلی تھی اور اقتصادی بدحالی بھی اپنی آخری حدوں کو پہنچ گئی تھی، بادشاہ کی کیا حیثیت تھی اور رعایا کی نگاہوں میں کجکلاہ کی کیا وقعت تھی اس سے بھی رضا بےخبر نہ تھا۔

یہ ناز و نعم میں پلے ہوئے پتلے صرف قصر گلستان میں ہی پڑے پڑے حکومت کے خواب دیکھا کرتے تھے حالانکہ جب بھی یہ فوج کے معائنہ یا کسی اور تقریب پر رعایا کے سامنے آتے تو اُن کے نرم و نازک بدن کاہلی اور عیش پرستی کی مہمل زندگی بسر کرنے کی وجہ سے ان کے مرجھائے ہوئے چہرے اس بات کو صاف ظاہر کرتے تھے کہ اب حکومت کا بارِ گراں ان کے سنبھالے نہیں سنبھلے گا۔

دستوری حکومت کے طلبگار اپنا حلق پھاڑ پھاڑ کر "مشروطیت" "مشروطیت" چلاتے پھرتے تھے۔ بادشاہ "مشروطیت" کے نام سے کانپتا تھا۔

دستوری حکومت اگر خواب میں بھی نظر آجاتی تو ان کو قصرِ گلستان کے سب مزے بھول جاتے۔ آخر کو مجبور ہو کر مظفر الدین شاہ قاچار نے کہا جاتا ہے کہ ایک ذمہ دار حکومت کے قیام اور پارلیمنٹ بنانے کا وعدہ کر لیا لیکن وعدہ کی ایفا کا وقت آنے سے قبل بادشاہ اس دنیا سے چل بسا اور اپنی جگہ محمد علی شاہ قاچار کے لئے خالی کر گیا۔ اس نے تخت نشینی کے بعد بڑے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے اور رعایا کے دستوری حکومت کے پرزور مطالبہ کو ٹھکراتے ہوئے روسی کاسک رجمنٹ کے کمانڈر کرنل لیاخوف سے شورشوں کو دبانے کے لئے ساز و باز کرنا شروع کیا۔ بعد میں جب کرنل نے اپنی یادداشتیں شائع کیں تو پتہ چلا کہ سازش کی ابتدا خود اس کرنل کی طرف سے کی گئی تھی۔ بادشاہ رعایا سے بہت خوفزدہ تھا۔ کرنل نے اسے یقین دلایا تھا کہ ہر قوم پرست کے گھر کو بمبارڈ کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ روسی کرنل بغاوت کو فرو

کرنے میں بالکل ناکام رہا۔ اور کاسک رجمنٹ کی شدید مزاحمت کے باوجود قبیلۂ بختیاری کے جوان ۱۳ر جولائی ۱۹۰۹ء کو طہران میں آگئے بادشاہ نے روسی سفارت خانہ میں جاکر جان بچائی۔ قوم پرستوں نے نیشنل اسمبلی کے اجلاس میں طے کیا بادشاہ کو جلاوطن کیا جائے چنانچہ اس کے خورد سال بیٹے احمد شاہ کو بادشاہ اور عضد الملک کو نائب السلطنت مقرر کیا گیا لیکن ملک ابھی سیاسی انقلاب کے لئے تیار نہ تھا۔ نیشنل اسمبلی کی حکومت کے پاس روپیہ نہ تھا۔ خزانہ خالی تھا۔ چنانچہ اس قومی حکومت کے افلاس کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ غیر ملکی ساہوکاروں کے پاس شاہی محلات اور باغات گرو رکھ کر کچھ رقم حاصل کی گئی۔ اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر روسی فوج نے مدد دے کر محمد علی شاہ قاچار کریمیا سے ایران کی سرحد میں آگیا اور مازندران میں قلعۂ التشات پر قبضہ جما لیا۔ طہران کی قومی حکومت نے رضا کو کاسک رجمنٹ دے کر اس فتنہ کے فرو کرنے کے لئے بھیجا۔

رضا کے لئے یہ عجیب موقعہ تھا خود اپنے ہی صوبہ کے خلاف تلوار اٹھانا تھی ان تمام مہمات میں رضا کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ حالات نہیں ملتے اتنا پتہ چلتا ہے کہ اسی دور میں ۲۶ر اکتوبر ۱۹۱۹ء میں اس نے شادی کی اور بڑا بیٹا محمد رضا تولد ہوا۔

دوران جنگ عظیم میں ایران غیر جانبدار تو رہا لیکن روسی اور برطانوی فوجیں اندرون ملک ایران میں بیٹھ کر اپنی جنگی سرگرمیوں میں مصروف رہیں۔

رضا اس عرصہ میں ملک کے مختلف حصوں میں بغاوتوں اور شورشوں کو دبانے میں مصروف رہا۔ ایک بار طوس (فردوسی کے وطن) کے علاقہ میں رضا کی رجمنٹ کی شراب کے نشے میں مدہوش کچھ روسی سپاہیوں سے مڈبھیڑ ہوئی انہوں نے خبر دی کہ نکولاس زار روس مر گیا ہے۔ رضا نے فوراً موقعہ کو غنیمت جانا۔ اور طہران

پہنچ کر غیر ملکی اثرات کو فنا کر کے آزاد ایرانی حکومت کی بنیاد ڈالی اس وقت یورپ کو جنگ میں مصروفیت تھی اس لئے کوئی طاقت رضا کے کام میں مخل نہ ہوئی لیکن ابھی ملک پر مصیبت کی گھڑیاں ختم نہیں ہوئی تھیں کہ اسی عرصہ میں ایک طرف سے پھر روسیوں نے حملہ کر دیا۔ رضا اپنی رجمنٹ لئے ان سے مقابلہ کے لئے گیا۔ اس مہم میں رضا کو شکست ہوئی اور روسیوں کی امداد پا کر ایک شخص کوچک خاں نے مذہب کے نام پر اپنی ایک جمعیت قائم کر لی اور رضا کی رجمنٹ سے مقابلہ پر آیا۔ رضا اس جنگ میں ہار گیا۔ اور طہران کی حکومت سے امداد کی درخواست بھیجی اس کا کوئی جواب نہیں آیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کاسک رجمنٹ قریب قریب ختم ہو گئی اور طہران کی حکومت نے کوئی توجہ نہ کی بالآخر رضا نے قزوین کے علاقہ میں ہی رہ کر فوج کو از سر نو ترتیب دینا شروع کیا آس پاس کے علاقوں سے نوجوانوں کو بھرتی کیا اور ان کو فوجی تربیت دینے میں وقت صرف کرنے لگا۔ ایک مشہور اخبار نویس اور انقلابی سید ضیاء الدین ایک بار طہران سے قزوین آئے اور رضا کی رجمنٹ کی نئی ترتیب دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ رضا سے بڑی دیر تک گفتگو ہوئی اور بعد میں فوج کے سامنے ایک پر اثر تقریر کی جس کا اثر رضا پر اور اس کے سپاہیوں پر پورا ہوا۔ دوسرے دن رضا نے معہ اپنی فوج کے قزوین سے کوچ کر کے طہران سے چھ میل دور پڑاؤ ڈالا۔ یہ سید ضیاء الدین کے مشورہ پر عمل تھا حکومت طہران کو سید ضیاء الدین جیسے انقلابی کے ساتھ رضا کا فوج لئے ہوئے آنا بہت پر خطر معلوم ہوا چنانچہ ایک وفد بھیج کر رضا سے یہ معلوم کرنا طے پایا کہ آخر وہ کس قسم کی حکومت میں تبدیلی کا خواہشمند ہے۔ طہران کی حکومت رضا سے اس درجہ خائف تھی کہ وفد میں تین انگریزی افسر بھی ایرانی ممبران وفد کے ساتھ گئے۔ یہ وفد جب رضا سے ملا تو رضا نے بڑی خفگی کا اظہار کیا اور وزرا کی تبدیلی کا مطالبہ کیا جب یہ دریافت کیا گیا کہ وہ کسے وزیر اعظم مقرر کرنا چاہتا ہے تو اس نے سید ضیاء الدین

کی طرف اشارہ کیا۔ اور دوسرے دن بغیر انتظار لئے رضا کی فوج چھ میل فاصلہ طے کرکے ۲۱ فروری ۱۹۲۱ء کو پایۂ تخت میں داخل ہو گئی۔

دوسرے دن شاہی فرمان صادر ہوا جس کی رو سے سید ضیا الدین وزیر اعظم مقرر ہوئے رضا کو سردار سپاہ بنایا گیا اور کاسک رجمنٹ کے دو اور افسر کاظم خاں اور مسعود خاں کو بالترتیب طہران کا گورنر اور وزیر جنگ مقرر کیا گیا۔ سید ضیاء الدین کو وزارت عظمیٰ کے منصب عالی پر بہت دن رہنا نصیب نہوا اور فوراً ہی ان میں اور رضا میں اختلافات رونما ہوگئے جن کی وجہ سے ان کو ملک چھوڑنا پڑا۔ رضا نے مجلس وزرا کو آزاد نہیں چھوڑا۔ بلکہ ان کے ہر کام میں دخل دینا شروع کیا۔ یہانتک کہ ان کو ہر کام رضا کی مرضی کے مطابق انجام دینا پڑتا تھا۔ جب سید ضیا الدین کے جلا وطن ہو جانے سے وزارت عظمیٰ کا منصب عالی خالی ہوا تو ایک قوم پرست شخص قوام السلطنت کو جیل سے باہر نکال کر وزیر اعظم بنایا گیا۔ بعد میں اس وزارت نے کئی احکامات نافذ کئے جاگیرداروں پر آخری بار ضرب کاری لگائی گئی برطانوی معاہدہ فسخ کیا گیا اور روسی قرضہ سے ادائگی سے بالکل انکار کر دیا گیا۔

تاجپوشی

پرانے نظام کو بدلنے اور نئے نظام قائم کرنے میں جو دشواریاں پیش آیا کرتی ہیں وہ طبعاً رضا شاہ کو بھی پیش آئیں۔ مختلف اطراف ملک سے بغاوتیں شروع ہوئیں جاگیرداروں اور قبائلی سرداروں نے سر اٹھانا شروع کیا۔ رضا طہران کی حکومت پر حاوی تھا اور اس لئے سب سے زیادہ ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی تھی کہ ملک کو آئے دن کے فتنہ و فساد سے پاک کرے چنانچہ کچھ عرصہ کے لئے اپنی فوج کو لے کر رضا نے ان باغیوں کا رخ کیا۔ اور ہر طرف کامیابی حاصل کی اس مہم میں وہ

شخص کوچک خاں بھی مارا گیا جس نے ایک سال پہلے رضا کی فوج کو بری طرح ہرایا تھا۔
۱۹۲۳ء کی بہار میں جب رضا فتح مندانہ طور پر دوبارہ طہران میں آیا تو اس کی غیر حاضری
میں احمد شاہ کئی وزارتیں بدل چکا تھا۔ اور غلط فہمی میں وہ یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ رضا اپنی فوجی
سرگرمیوں میں رہیگا اور ملکی انتظامات میں دخل دینا اس کے لئے چنداں باعث دلچسپی
نہوگا لیکن رضا نے پایۂ تخت میں قدم رکھتے ہی پھر نئی تبدیلیاں کرنا شروع کیں۔
جس کے خلاف احمد شاہ۔ اور اس کے وزرا وثوق الدولہ۔ قوام السلطنت نے اپنا حق
جمایا رضا نے اس فتنہ کو اس طرح فرو کیا کہ بادشاہ کو صحت درست کرنے کی خاطر یورپ بھجدیا اور خود وزیر
اعظم کی حیثیت سے حکومت سنبھالی اور ملک کی فوجی طاقت کی طرف توجہ کی اور
یورپ سے مشین گنیں ہوائی جہاز اور ٹینک منگا کر نئے اصولوں پر فوج کو منظم کیا۔
اب رضا شاہ کی حیثیت حکومت میں وزاعظم یا مختار کل کی تھی۔
اس کے بعد ایک بڑا ہنگامہ برپا ہوا یہ چند مجتہدوں نے برپا کیا تھا۔ ان کا خیال
تھا کہ نیا وزیر اعظم رضا یورپ کے اصولوں پر مدارس اور مکاتب کی تنظیم سے
مذہب بدلنا چاہتا ہے۔ چنانچہ مجتہدوں نے فتوے دیدیے کہ اب امام صاحب الزمان
کا ظہور ہونے والا ہے۔ اس فتنہ نے رضا کو بہت زچ کیا وہ کئی لڑائیاں جیت چکا تھا
مگر اس کے بالکل سمجھ میں نہ آیا کہ ان مذہبی شورش پسندوں کے پھیلائے ہوئے فتنہ
کو کس طرح دابے یہاں تک کہ ایک بار اسمبلی میں رضا کو رائے شماری کے وقت معلوم
ہوا کہ نمائندگاں کی ایک بڑی تعداد نے مخالفت میں ووٹ دیئے ہیں۔ اسی سلسلہ
میں ایک بار مجتہدین کے بھڑکائے ہوئے عوام نے امریکن سفیر کو ایک بار صرف
اس وجہ سے قتل کر دیا کہ وہ ایک کیمرے سے ان کی تصویر لینا چاہتا تھا۔
رضا کو یہ معلوم ہوا تو اس نے پھر تمام ملک میں مارشل لا جاری کر دیا۔
۳۱ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو اسمبلی نے ہمیشہ کے لئے قاچار خاندان کو تخت ایران

سے محروم کر کے رضا کو قائمقام بادشاہ مقرر کیا۔ قاچار خاندان کے تمام افراد ایران سے جلاوطن کئے گئے۔ اور بالآخر ۱۲ دسمبر ۱۹۲۶ء کو شیخ خزال ایران کے ایک مشہور سردار اور رضا کے پرانے دوست نے پارلیمنٹ میں تجویز پیش کی کہ قائمقام بادشاہ رضا کو ایران کا بادشاہ بنایا جائے۔ تمام نمائندوں نے بالاتفاق رائے اسے منظور کیا اور اس تاریخ کو رضا نے ایرانی تخت شاہی پر قدم رکھا۔ اور اپنے ہاتھ سے پہلے ساسانیوں کا تاج خود سر پر رکھا۔

دور پہلوی

واقعات کو مختصر اور لطیف پیرایہ میں بیان کرتے ہوئے ہم اب آپ کو اس نقطہ پر لے آئے ہیں جہاں پہنچ کر آپ رضا شاہ کی زندگی پر ایک طائرہ نگاہ ڈالیں تو اہم واقعات سامنے آ جائیں گے

دنیا کی تاریخ میں نام چھوڑنے والی عظیم الشان ہستیاں بام ترقی پر پہنچنے کے لئے مختلف راستوں سے آیا کرتی ہیں اپنے ماحول اور مناسبات کو دیکھ کر ہر شخص اپنی منزل کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بات زیادہ اہمیت نہیں رکھتی کہ ہم کسی راہرو کے پیچھے پیچھے چل کر اوس کا راستہ دیکھیں اصل میں دیکھنا یہ چاہئے کہ مسافر منزلیں مارتا ہوا سفر کی صعوبتیں جھیلتا ہوا کہاں تک پہنچا اور اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوا۔ اسی لئے رضا شاہ کی زندگی کے اس پہلو کو ہم نے زیادہ شرح و تبسط کے ساتھ نہیں بیان کیا جیسا کہ عام طور پر شخصی سوانح نگار کیا کرتے ہیں۔ ہمارے پیش نظر ایران کی بیداری کی تاریخ نگاہوں کے سامنے لانا ہے۔ نہ کہ کسی فرد واحد کی زندگی کا روزنامہ تحریر کرنا۔ لیکن جبکہ اس بیداری کے ساتھ ایک فرد واحد کی ذاتی کوششیں وابستہ ہیں۔ اس لئے لازم ہوا کہ تھوڑا بہت اس پہلو

کو بھی روشن کر دیا جائے گذشتہ عنوانات کے ماتحت آپ نے رضا شاہ کی ولادت سے
لے کر تاج شاہی سر پر رکھنے تک کے واقعات اجمالی طور پر معلوم کر لئے اب آپ
اس بات کا جائزہ لیں کہ اتنے بڑے منصب پر پہنچ کر اس جلیل القدر ہستی نے کیا کیا

رضا کا طریق اصلاح

ایران ایک متمدن ملک ہے لیکن اس میں ایسے قبائل بکثرت ہیں جو خانہ بدوشی
کی زندگی بسر کرتے ہیں اور موسموں کی تبدیلی پر ییلاق (سرد مقام) اور قشلاق (گرم
مقام) کی فکر میں پھرتے رہتے ہیں۔ یہ قبائل بڑی حد تک جنگجو ہیں۔ اور اپنی حفاظت کے
لئے حکومت کے محتاج نہیں ہیں یہ قبائل ہمیشہ پہلے بادشاہوں کے عہد میں آئے دن
سر اٹھاتے رہتے اور حکومت کے لئے بڑی سرگرانی کا باعث ہوتے ان کو مطیع کرنا
آساں نہ تھا۔ عرصہ دراز سے قصر گلستان طہران کی بلند فصیلوں میں محدود رہکر پرورش
پانے والے شاہان قاچار ملک کی کسی ضرورت کو سمجھنے کے اہل نہیں رہے تھے۔
ان کا تمام دار و مدار اپنے وزرا پر ہوتا ان کا خزانہ معمور رہے تو پھر انھیں کسی بات
کی فکر نہیں رہتی تھی، چنانچہ ان خانہ بدوش قبائل کو مطیع اور حکومت کا دست و بازو
بنانے کے لئے ایسی ذات کی ضرورت تھی جو ایسے ماحول میں پلا ہو جس میں رضا شاہ
نے تربیت پائی جو تجربے قبائلیوں کے عادات اور خصائل کے متعلق رضا شاہ کو اپنے
عہد شباب میں اپنے قلعۂ الشات کے ارد گرد علاقوں میں گشت کرتے ہوئے یا سیر و
شکار کے سلسلے میں حاصل ہوئے تھے۔ ان سے ملک کی بادشاہت سنبھالنے پر رضا شاہ
نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

رضا نے ان قبائل کو رام کرنے کے لئے مناسب سمجھا کہ ان کے سامنے اپنی
بڑھکر قوت کا مظاہرہ کیا جائے۔ چنانچہ وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھالتے ہی یوتب

سے جدید اسلحہ جنگ کی بڑی مقدار سے فوج کو طاقتور بنایا اور ایک آندھی اور طوفان کی طرح تیز دورے میں ملک میں ہر جگہ جاکر قبائل کو اپنا مطیع بنایا۔ اس میں بڑی بڑی دشواریاں بھی پیش آئیں قبائل کے سردار (البا عی) باسانی حکومت کے سامنے جھکنے پر رضامند نہ تھے چنانچہ مختلف طریقوں کو بروئے کار لایا گیا۔

شیخ خزال ایک مشہور سردار تھا جس نے رضا کے خلاف بہت سر اٹھا رکھا تھا اس شیخ کا حلقۂ اثر بھی کافی وسیع تھا اور اس لئے ضروری تھا کہ تدبیروں سے کام نکالا جائے چنانچہ یہاں رضا نے بجائے فوج سے کام لینے کے اپنی ذہانت اور ہوشیاری سے کام لیا۔ اپنی فوج کو ساتھ لے کر نہائت تیزی کے ساتھ یہ محمرہ پہنچا اور کچھ فاصلہ پر لشکرگاہ بنایا۔ دوسرے دن صبح ہی اٹھ کر ایک نہایت بیش قیمت اور طاقتور انجن والی موٹر کار پر بیٹھ کر شیخ خزال کے محل کی طرف گیا۔ شیخ اس وقت محل کی چھت پر بیٹھا تھا۔ دور سے ایک موٹر آتی دیکھ کر حیران ہوا کہ اس علاقہ میں نیا موٹر نشین کون۔ شیخ کو اپنی رولس رائس موٹر کار پر بڑا ناز تھا۔ شیخ کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ سامنے سے آنے والی موٹر محل کے پھاٹک سے ہوتی ہوئی اس کی رولس رائس کے پاس آکر کھڑی ہوگئی۔ شیخ رضا کا قدیمی دوست تھا۔ بڑے تپاک سے ملا اور کچھ دیر کیلئے وقتی مخالفتیں بھول گیا چونکہ رضا اکیلا ہی آیا تھا اس لئے شیخ کو کسی قسم کا شبہ بھی نہ گذرا۔ الغرض جب رضا نے شیخ سے درخواست کی کہ آیئے اس نئی موٹر کا تجربہ کیجئے شیخ کو کیا شبہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ رضا نے شیخ کو بٹھاتے ہی موٹر تیزی سے اپنے لشکرگاہ کی طرف دوڑا دی۔ اب شیخ صاحب قبضہ میں تھے۔ دوسرے ہی دن ان کو طہران لے آیا گیا لیکن بعد میں شیخ خزال رضا کا بڑا معاون اور مددگار رہا۔ رضا کو بادشاہ بنانے کی تجویز پارلیمنٹ میں شیخ نے ہی پیش کی تھی

دوسرا فرقہ جس سے رضا کو بڑی دقتیں اٹھانا پڑیں مجتہدوں اور ملاؤں کا

تھا۔ یہ کورچشم اور کور باطن گروہ ازل سے ہر اصلاح کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے کام پر مامور ہے۔ جس نے ان کی فرسودہ اور از کار رفتہ تعلیمات پر توجہ نہ دی انہوں نے فوراً اس کے لئے کفر کا فتویٰ دے دیا۔ اس دور میں اسلامی ممالک میں جہاں بھی اصلاح و ترقی کی کوششیں کی گئیں وہاں انھیں حضرات کی بدولت فتنے اور فسادات اٹھ کھڑے ہوئے۔ افغانستان اور ترکی کی نظیر سامنے ہے ترکی میں شیخ الاسلام اور افغانستان میں ملایان بازاری کمال پاشا اور نادر شاہ کے لئے باعث پریشانی ہوئے۔ وہی مصیبتیں ایران میں رضا شاہ کو بھی جھیلنی پڑیں چونکہ عوام اور جہلا کے فرقہ کی سرداری انہیں غلط قسم کے مذہبی گروہوں کے ذمہ ہے اس لئے کچھ دیر تک عوام کو بھڑکا کر یہ اپنا دل خوش کر لیتے ہیں۔ رضا کے خلاف ایران کے مجتہدوں نے کفر تک کا فتویٰ دے دیا تھا۔ اور طرح طرح کی ریشہ دوانیوں سے ایک وقت تک اسے تنگ بھی کیا ایک موقعہ پر طہران کے امریکن سفارت خانہ کے امریکن سفیر کو مجتہدین کے بھڑکائے ہوئے عوام کے ایک گروہ نے صرف اس وجہ سے قتل کر دیا کہ وہ ان مجتہد صاحب کی تصویر لینا چاہتا تھا۔ ایک وقت تک رضا نے صبر و تحمل سے کام لیا لیکن اس کا بھی ایک وقت ہوتا ہے۔ جب صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو تمام ملک میں مارشل لا جاری کر دیا گیا۔ اور فوجی قوت سے ان کے فتنوں کی قوت کو توڑا گیا۔

ان غلط قسم کے مذہبی گروہوں نے اس درجہ سرکشی پر کمر باندھ لی تھی کہ ایک مرتبہ جب کہ رضا شاہ کی بیوی زیارت گاہ قم میں نماز پڑھنے گئی تو رکوع و سجود کی حرکت سے نقاب چہرے سے سرک گیا اور بے پردگی ہو گئی زیارت کے متولی صاحب جو پیش امام تھے یہ دیکھ کر سخت قسم کا مذہبی درد اٹھا اور انھوں نے بیگم کو سخت سست کہا۔ بیگم نے رضا شاہ کو وہیں سے طہران ٹیلیفون پر اس واقعہ کی اطلاع دی۔ شاہ کو یہ واقعہ

سن کر اس درجہ طیش آیا کہ فوراً تیز رفتار کار پر قسم گیا اور اپنے سواری کے ہنٹر سے ان مجتہد صاحب کی بھرے مجمع میں درگت کی غالباً مجتہد صاحب نے اس کے بعد جھوٹی قسم کی مذہبیت سے توبہ کر لی ہوگی۔

رضا شاہ کے مزاج میں تھوڑی بہت درشتی اور جلد بازی کو بھی دخل ہے =
نیویارک ٹائمز کا نمائندہ جان گنتھر اپنی کتاب "اندرون ایشیا" میں بڑی دلچسپی سے یہ واقعہ بیان کرتا ہے کہ جب وہ عراق کی سرحد پار کر کے موٹر پر طہران جا رہا تھا تو اس کو شہر سے باہر بالکل جدید وضع کی ایک پر شکوہ عمارت نظر آئی۔ ڈرائیور سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ ریلوے اسٹیشن ہے۔ اس وقت ریل کی پٹڑی بھی پوری طرح نہیں بچھائی جا چکی تھی۔ امریکن کو اس جلد بازی پر بڑا تعجب تھا۔

اصلاحات

ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے اس مختصر رسالہ کا سب سے اہم باب یہی ہے جس پر نگاہیں اٹھیں گی اور بہت سے دل اسی کی طرف بڑے ذوق و شوق سے متوجہ ہوں گے۔ تاکہ ایران نو کی ترقی کا معیار معلوم کر لیں لیکن ہمیں افسوس ہے کہ اس بارہ میں ہمیں جو کچھ بھی مواد دستیاب ہو سکا وہ غیروں کی زبان سے ملا۔ اب یہ کہ کس حد تک ہمیں اغیار کی روایتوں پر ایمان لانا چاہئے۔ اس کا فیصلہ آگے چل کر خود نگاہ حق شناس کرے گی اس سلسلے میں ہم یہ ضرور عرض کریں گے کہ اس رسالے کے حصۂ اولیٰ کا مطالعہ ایران کے عہد جدید کی ترقی کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے زیادہ ممد و معاون ثابت ہوگا۔ کیونکہ مختلف عہد کے اعداد و شمار جو بڑی محنت و تلاش کے بعد جمع کئے گئے ہیں۔ وہ ترقی کی رفتار کے سب سے بڑے آئینہ دار ہیں لیکن ایک عام اور طائرانہ نگاہ اس عنوان کے ماتحت بھی ضروری ہے۔

کسی پس ماندہ قوم کو جگانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اون کی موجودہ پستی کا احساس کرایا جائے پھر اس پستی سے گذر کر بام ترقی پر پہنچنے کا زینہ بنایا جائے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تعلیم کو عام کرنے سے زیادہ کارآمد کوئی چیز نہیں پھر ضروری ہے کہ قومی حیثیت کو مضبوط کیا جائے تاکہ ملکی آزادی میں کوئی اور دخل انداز نہ ہوسکے اور پھر حکومتوں کے نزدیک اس قوم کی حیثیت مسلم ہوجائے اسی مقصد کے حصول میں فوجی حالت کو قوی تر بنانے کی ضرورت ہوتی ہے پھر اس حیثیت کو باقی اور پائدار بنانے کیلئے ضروری ہے کہ بنیادی استحکامات کی طرف توجہ کیجائے اس سلسلہ میں ملک کی مالی حالت اور زراعتی کو فروغ دینے کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایران کی موجودہ حکومت ترقی کے اس راز کو سمجھ کر قدم اٹھارہی ہے اور شاہان قاچار کے پیدا کردہ ناسازگار اور ناموافق حالات کے باوجود حکومت کے عزم راسخ نے ملک کے لئے ترقی کی راہیں کھول دی ہیں۔

رضا شاہ نے حکومت میں دخل پاتے ہی فوجی حالت کو بہتر سے بہتر بنانا شروع کردیا تھا۔ چنانچہ دوسری جگہ ہم ذکر کرچکے ہیں کہ ۱۹۲۱ء میں وزارت جنگ سنبھالتے ہی اپ نے یورپ کے کئی ملکوں سے ٹینک جنگی ہوائی جہاز اور مشین گنیں منگوا کر ایرانی فوجوں کو جدید آلات جنگ سے مسلح کردیا تھا یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ بعد میں حکومت کی نئی سکیموں میں رخنہ اندازی کے لئے جو ملک میں جابجا جاگیردار جماعتوں نے سر اٹھایا تو فوراً ہی ان شورشوں کو بھاری فوجی طاقت سے کچل کر رکھ دیا گیا۔ اور بغیر کسی تاخیر کے حکومت اپنی اسکیموں پر عمل پیرا رہی اس وقت حکومت کے پاس کتنی فوج ہے۔ اس کا صحیح اندازہ حصہ اوّل میں فوجی طاقت کے عنوان کے ماتحت ملاحظہ فرمایئے۔

تعلیم کو فروغ دینے کے لئے۔ طہران یونیورسٹی کے ماتحت قانون آرٹ ادبیات اور دیگر علمی شعبوں کی تعلیم کی غرض سے کالج بڑے پیمانہ پر قائم ہیں۔ ان کالجوں میں معلم اور استاد زیادہ تر وہ ایرانی ہیں جن کو حکومت نے باضابطہ طور پر یورپ و امریکہ۔ اعلیٰ

تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے بھیجا اور اب وہ واپس آکر اپنے اہل وطن کی تعلیمی خدمت میں مصروف ہیں اس کے علاوہ زراعتی مدارس اور صنعتی درسگاہیں بھی ملک میں عام ہیں۔ جہاں لائق اساتذہ کی نگرانی میں ہزارہا ایرانی طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ یہی طلبہ آگے چل کر ملک کو غیر ممالک کی اقتصادی غلامی سے نجات دلانے والے ثابت ہوں گے

اس دور سے بیشتر زمین اکثر غیر مزروعہ تھی اور کوئی توجہ اس کو زراعت کے لئے کارآمد بنانے کے لئے نہیں کی جاتی تھی۔ لیکن اب بہت سے ایسے علاقے جہاں صدیوں سے نباتات کا نام ونشان تک نہ تھا اب وہاں ہرے بھرے کھیت لہلہاتے ہیں۔ اور بیج بونے سے لے کر پکی ہوئی کھیتی کاٹنے تک تمام کام مشینوں سے انجام دیا جاتا ہے۔ تقریباً اکثر حصہ مزروعہ زمین کا حکومت کی اپنی نگرانی میں ہے اور بہت تھوڑا حصہ انفرادی ملکیت میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زراعتی اعتبار سے ایران اب متمدن ممالک کا ہم پلہ ہو گیا ہے۔ اور جیسا کہ حصہ اول کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔ زراعت کی ترقی کی وجہ سے اور ممالک کے ساتھ ایران کی تجارت میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ اس کا حکومت کے خزانہ پر بہت اچھا اثر پڑا۔

اس کے علاوہ کچھ اور اصلاحات بھی عمل میں آئی ہیں اِن کا تعلق زیادہ تر اصلاح معاشرت سے ہے۔ ایرانیوں کی پرانی آرام طلبی اور عیش پسندی کی بجائے اب ان کی زندگی میں گرمی اور جوش عمل نظر آتا ہے۔ اپنے ملک کو قومی اعتبار سے بلند سے بلند تر پہنچانے کے لئے ہر ہر فرد کوشاں ہے۔ لباس میں بھی مغربیت کو زیادہ دخل ہو چلا ہے اور گو کہ یہ بذاتِ خود کسی قوم کی ترقی کا کفیل نہیں ہو سکتا۔ لیکن پھر بھی ایک تغیر اور ایک انقلاب پر دلالت کرتا ہے۔ دورِ پہلوی سے قبل ایران کے مختلف صوبوں میں مختلف قسم کے لباس استعمال کئے جاتے تھے اور خصوصاً سر کا لباس تو ہر گاؤں کا جدا تھا۔ اس اختلاف کو مٹانے کے لئے سب سے پہلے ایک قسم کی ٹوپی

پہننے کا حکم ہوا۔ اس کو پہلوی کہا جاتا ہے اور اس میں صرف آگے کی طرف انگریزی ٹوپی کی طرح چھجا ہوتا ہے۔ اس ٹوپی کے رواج پانے پر مجتہدین اور ملا حضرات بڑے چراغ پا ہو گئے۔ اُن کے نزدیک سر پر عمامہ پہننا ہی صرف دینداری اور مذہبیت کی علامت ہو سکتی تھی۔ اور یہ نئی ٹوپی ان کو الحاد اور بے دینی کا پیش خیمہ معلوم ہوئی چنانچہ اس پر بڑے فتنہ کھڑے کئے گئے۔ ہزار کوششیں اس کو نامقبول بنانے میں کی گئیں لیکن عوام اب ان جیسے نادان دوستوں کو خوب سمجھ چکے تھے اور جو تلخ تجربے ان کی رہنمائی کے پہلے حاصل ہو چکے تھے ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے اس بے معنی شور و شر پر کان نہ دھرا چنانچہ اب سارا ایران "پہلوی" ٹوپی ہی استعمال کرتا ہے۔ نماز پڑھنے کے وقت باآسانی اس ٹوپی کے چھجے کو پیچھے کیا جا سکتا ہے۔

غیر ملکی زبانوں کے لئے ایک مستقل ادارہ خاص طہران میں کھلا ہوا ہے۔ جہاں اس وقت یورپ کی اکثر و بیشتر زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔

شہر میں عمارتوں کے طرز کو بالکل بدل دیا گیا ہے اور جدید طرز عمارت کے مطابق حکومت کے دفاتر تعمیر ہوئے ہیں۔ چنانچہ اکثر یورپین سیاحوں کو اس پر بڑا تعجب ہے کہ کس طرح اتنے تھوڑے عرصے میں بالکل جدید اصول پر کئی شہر بس گئے یا پرانے شہروں کو نیا لباس پہنا دیا گیا ہے۔

پریس کو کامل آزادی دی گئی ہے۔ چنانچہ اس کے اثر سے بہت کافی جرائد و ماہنامے شائع ہو رہے ہیں۔ ہمیں اس سلسلہ میں اس وقت شائع ہونے والے تمام رسائل کے نام نہ معلوم ہو سکے لیکن جو معلومات بھی اس سلسلہ میں مل سکی، وہ صحافت کے عنوان کے ماتحت آئندہ درج ہوگی

ولی عہد

شاہ ایران کے بڑے بیٹے کا نام شاہپور محمد رضا پہلوی ہے۔ ولی عہد ہونے کی حیثیت سے چونکہ آئندہ زندگی میں حکومت کا بارگراں انہیں کو اٹھانا ہے اس لئے شاہ کی خاص توجہ اپنے ولی عہد کی صحیح تعلیم و تربیت کی طرف رہتی ہے۔ برگسٹاڈ (سوئٹزرلینڈ) میں فوجی تعلیم پائی ہے۔ ایک عرصہ تک طہران کی یونیورسٹی میں بھی زیر تعلیم رہے ہیں۔ حکومت کے فرائض سے واقفیت پیدا کرانے کے لئے شاہ ہمیشہ اپنے ولی عہد کو شاہی درباروں، جلوسوں، فوج اور دوسرے حکومت کے محکموں کے معائنہ کے وقت ساتھ رکھتے ہیں۔ چند سال ہوئے کہ شاہ فاروق والئی مصر کی بڑی بہن سے آپ کی شادی ہوئی ہے،

صحافت

ملک کو سیاسی انقلاب کی طرف کشاں کشاں لانے میں جن اثرات نے کام کیا اُن میں صحافت کو بڑا دخل رہا ایران میں پہلا اخبار فتح علی شاہ قاچار کے عہد میں شائع ہوا لیکن ملک میں ناموافق فضا دیکھ کر ترقی پسند اور قوم پرست ایرانیوں نے غیر ممالک میں جاکر اخبارات نکالے اور وہیں سے اپنے خیالات کی اشاعت کا انتظام کیا۔ اس طرح سے جو اخبارات برلن قسطنطیہ لندن اور کلکتہ سے نکلتے تھے۔ ان میں حسب ذیل بڑی شہرت کے مالک تھے۔ اور ان کا ملک کی رائے عامہ پر کافی دخل تھا۔

اخبار "اختر" مقام اشاعت قسطنطیہ ۱۸۷۵-۹۵ء

اخبار، قانون، مقام اشاعت، لندن سنہ اشاعت ۱۸۹۰ء
اس اخبار کو لندن کے ایرانی سفارت خانہ
کے اعلیٰ افسر مالکم خاں نے دستوری حکومت
کا مطالبہ پیش کرنے کے لئے جاری کیا تھا

"حبل المتین" مقام اشاعت کلکتہ ۱۸۹۳ء
"کاوہ" " " برلن ۱۹۱۶ء

اب جدید عہد میں صحافت کی ترقی کی وجہ سے ملک میں بڑے بڑے اہل قلم پیدا ہو گئے ہیں۔

مزاحیہ نگاروں میں آج کل علی اکبر داخو بڑی شہرت کے مالک ہیں شعراء کے طبقہ میں ملک الشعراء بہار کا ہم پلہ کوئی نہیں مذکورہ بالا اخبارات کے علاوہ اور بھی جرائد و ماہنامے اوس وقت میں اشاعت پذیر تھے اور جن کی حیثیت ملک میں مسلم تھی

حال کے مشہور ماہنامے حسب ذیل ہیں

دانش کدہ	مدیر ملک الشعراء بہار
ارمغان	مدیر تقی زادہ
آئندہ	مدیر کاظم قرہ بیگ

صحافت کے ساتھ ساتھ ادبی اور علمی لٹریچر کی اشاعت میں بھی ایران نے کافی ترقی کی ہے طہران کے کثیر التعداد دار النشر اور تجارتی کتب خانے ہر سال جدید علمی کتب شائع کرتے رہتے ہیں۔ ایک مشہور دار النشر کتابخانۂ دانش۔ خیابانِ سعدی طہران کی شاخ ہندوستان کلکتہ میں ایک عرصہ سے قائم ہے۔ جہاں جدید فارسی ادبیات اور اخبارات و رسائل کی نشر و اشاعت کا کام بڑی خوبی سے انجام دیا جاتا ہے۔